جلد ۴ / شمارہ ۹

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

ستمبر ۲۰۲۴ء بہ مطابق ربیع الأول ۱۴۴۶ھ

- کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے ﷺ
- مبارک ثانی کیس اور سپریم کورٹ کا فیصلہ
- اکبر الٰہ آبادی، نوآبادیاتی نظام اور عہدِ حاضر

لیتفقهوا فی الدین

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر
اقبال

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلس مشاورت

- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلشن جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK | FIQHACADEMY | FIQHACADEMYPK | +92 330 3474223

مضامین

۱	بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لیے	الطاف حسین حالؔی	۳
۲	ماہِ ستمبر اور ستم گر	نائب مدیر	۵
۳	کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے	صوفی جمیل الرحمٰن عباسی	۹
۴	مبارک ثانی کیس اور سپریم کورٹ کا فیصلہ	مولانا محمد اقبال	۱۳
۵	عالمِ عرب کی اسلامی تحریکیں اور مستشرقین	مولانا معراج محمد	۲۰
۶	اکبر الہ آبادی، نوآبادیاتی نظام اور عہدِ حاضر	شمس الرحمٰن فاروقی	۲۳
۷	اسلام میں استاذ کا مقام و مرتبہ	عثمان خان	۳۹
۸	زندگی کی قدر و قیمت اور وقت کی تنظیم	مولانا عبد المتین	۴۵
۹	یوٹیوب کی آمدن کا حکم	دار الافتاء، فقہ اکیڈمی	۵۲
۱۰	نعت: ز مہجوری بر آمد جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ	۵۴

نعت

الطاف حسین حالؔی

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لیے

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لیے
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

وہ شاہ، جس کا عدو جیتے جی جہنم میں
عداوت اُس کی عذابِ الیم جاں کے لیے

وہ شاہ، جس کا مُحِب اَمْن و عافیت میں مُدام
محبت اس کی حصارِ حصیں اماں کے لیے

گھر اس کا مَورِدِ قرآن و مَہْبَطِ جبریلؑ
در اس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لیے

سِپہر گرمِ طواف اُس کی بارگاہ کے گرد
زمین سر بسجود اُس کے آستاں کے لیے

مدینہ مرجع و ماوائے اہلِ مکہ ہوا
مکیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لیے

اسی شرَف کے طلب گار تھے کلیمؑ و مسیحؑ
نوید امّتِ پیغمبرِ زماں کے لیے

شفیعِ خلق سراسر خدا کی رحمت ہے
بشارت امتِ عاصی و ناتواں کے لیے

شفاعتِ نبویؐ ہے وہ برقِ عصیاں سوز
کہ حکمِ خس ہے جہاں کفر دو جہاں کے لیے

خدا کی ذات کریم اور نبیؐ کا خُلق عظیم
گنہ کریں تو کریں رخصت انس و جاں کے لیے

حریفِ نعتِ پیمبر نہیں سخن حالیؔ
کہاں سے لایئے اِعجاز اس بیاں کے لیے

*****

اداریہ

ماہِ ستمبر اور ستم گر

بچپن میں کہیں ایک نظم پڑھی تھی جس کا پہلا مصرع اب تک یاد ہے: ’’ستمبر کے مہینے میں ستم گر یاد آتے ہیں‘‘، بات ایسی ہی ہے کہ ستمبر کا مہینا اہلِ پاکستان کو ستم گروں کے بالمقابل شان دار فتح کی یاد دلاتا ہے۔ ان ستم گروں کا ایک گروہ، وہ تھا جو اسلامی جمہوریہ پاکستان پر حملہ آور ہوا تھا اور طاقت کے نشے سے مخمور ہو کر بدمست ہاتھی کی طرح پاک وطن کی سرحدوں کو روندتا اور پھاندتا ہوا لاہور پر قبضے کی امنگ جگائے یلغار کرتا ہوا آگے بڑھا۔ ان کی آمد سے یوں لگتا تھا کہ بپھرے ہوئے ہاتھیوں کا غول یک لخت دوڑ لگا دے۔ ایک طرف تا حدِّ نگاہ ٹینک تھے اور دوسری طرف پیادہ فوج، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے کافروں کا لشکر شکست کی کالک منھ پر مل کر فتح کی حسرت دل میں لیے بھاگ کھڑا ہوا:

کس بانکپن سے آئے تھے سرکار دیکھنا
کس کی گلی میں آ کے ہوئے خوار دیکھنا

۶، ستمبر ۱۹۶۵ء کا یہ معرکہ ایک تاریخی معرکہ تھا جس کی یاد میں ۶، ستمبر کو یومِ دفاعِ پاکستان منایا جاتا ہے۔ بلاشبہہ اسلامی ریاست کا یہ دفاع ہمارے مجاہدین کا غیر معمولی کارنامہ تھا اور ان کی حوصلہ افزائی میں پاکستان کے عوام کے جذبات، علما و مشائخ کا دستِ شفقت، اساتذہ و معلّمین کی تربیت، صحافیوں اور ادیبوں کی نگارشات، غرض یہ کہ معاشرے کے تمام ہی طبقات کا کردار قابلِ رشک تھا۔

اسی ستمبر کے مہینے میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جملہ مکاتب کے علمائے کرام اور ان کی پیروی میں مسلمانانِ پاکستان نے ستم گروں کے ایک اور ٹولے کو شکستِ فاش دے کر نا قابلِ فراموش کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ عظیم الشان فتح قادیونیوں کے خلاف تھی جنھوں نے اسلام کی نظریاتی سرحدوں میں اہم ترین سرحد پر حملہ کیا

اور ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہوئے دجال اور کذاب شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی قرار دیا ہے۔ ٧، ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں طویل مکالمے اور دلائل کے تبادلے کے بعد یہ طے کیا گیا کہ قادیانی (چاہے وہ خود کو احمدی، لاہوری یا کسی نام سے موسوم کریں) کافر ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس وقت کے وزیرِ اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سربراہی میں دوسری ترمیم کے ذریعے اس فیصلے کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ وزیرِ اعظم، اراکینِ اسمبلی، پاکستان کے عوام اور بالخصوص تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام نے متفقہ طور پر ایسا اقدام کیا جس سے کفار کی سازشیں نہ صرف خاک میں مل گئیں بلکہ ان کی کئی دہائیوں کی جدوجہد پر پانی پھر گیا۔ صد شکر کہ یہ سعادت مسلمانِ پاکستان کے حصے میں لکھی تھی۔

اسی پس منظر میں مبارک ثانی کیس میں عدالت کے حالیہ فیصلے کا بھی خیر مقدم ہونا چاہیے۔ اوّلاً تو علمائے کرام ترحیب و تبریک کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کاہشیں اٹھائیں، کاوشیں دکھائیں اور یہ میدان ان کے ہاتھ رہا۔ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دام ظلہ کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔ کبرِ سنی کے باوجود مولانا فضل الرحمٰن صاحب بنفسِ نفیس جبکہ حضرت شیخ الاسلام صاحب ترکیہ سے وڈیو لنک کے ذریعے عدالتِ عظمیٰ میں اپنے دلائل کے ساتھ پیش ہوئے۔ پھر پاکستان کے عوام کی اس مسئلے سے جذباتی وابستگی اور عوامی دباؤ نے اس مسئلے کی سنگینی کو اور بھی واضح کیا جس سے رائے عامّہ ہموار ہوئی یا سادہ الفاظ میں کہیے تو ماحول بنا۔ مزید یہ کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب قاضی فائز عیسیٰ کا رویہ حالیہ فیصلے میں بے مثال تھا۔ انھوں نے اس نازک مسئلے کی حساسیت کو سمجھتے ہوئے پوری سنجیدگی سے اس پر نظرِ ثانی کی کارروائی میں علمائے کرام سے رہنمائی طلب کی اور ایک متفقہ فیصلہ تحریر کیا جس سے عقیدۂ تحفظِ ختمِ نبوت کو مزید تقویت پہنچی۔ محترم چیف جسٹس صاحب نے وڈیو لنک کے ذریعے حضرت شیخ الاسلام صاحب سے جو گفتگو کی اس کی وڈیو نیٹ پر موجود ہے، قارئین کے لیے اس میں بہت کچھ سیکھنے کا سامان ہے۔ جہاں حضرت شیخ الاسلام صاحب کی نصح و خیر خواہی، شفقت اور سرپرستی قابلِ تعریف ہے وہیں چیف جسٹس صاحب کا مؤدبانہ رویہ، طرزِ تخاطب، الفاظ کا انتخاب غرض پوری گفتگو ہی دشمنانِ اسلام

کی روسیاہی کے لیے کافی ہے۔ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح ایک ''اسلامی ریاست'' کا مسلمان ''قاضی'' دینی امور میں ''شیخ الاسلام'' سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، کیا یہ وہی منظر نہیں جو اسلامی سلطنت کے قاضیوں میں بالعموم نظر آتا تھا؟ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اس ریاست میں جو کچھ اسلام کے موافق ہے اس کی تعریف و توثیق ہونی چاہیے اور مزید ''تقویٰ کی آرزو'' جاری رہنی چاہیے۔ اسے ''باطل کا اقتدار'' کہہ کر اکھاڑ پھینکنے کے خواب دیکھنا اور شب و روز اس غم میں گھلنا کہ کب اس کی ''جڑوں پر تیشہ'' چلے اور ہم اپنی زنبیل سے ''اسلامی نظام'' کی چھتری نکال کر قوم کو اُس کے سائے میں سمیٹ لیں، ''کتنا حسین فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم''۔ بس اتنا ہی نہیں، ایک گروہ اس ملک کو دارالکفر قرار دے کر، اس کے حاکموں اور محافظوں کی تکفیر کا علم اٹھا کر قتل و غارت پر اتر آئے، معصوموں کی جان کے درپے ہو، اپنے تئیں طاغوت کا انوکھا مفہوم گھڑ لے، اور جو انھیں سمجھائے وہ بھی باغی اور مرتد ہو جائے، اسلامی خلافت کی جو تعبیر ان کے فہم میں آئے وہ حتمی اور قطعی ہو، اس سے اختلاف ضلالت و گمراہی ہو، الامان والحفیظ، یہ کیسی اجارہ داری ہے اور کہاں کی دین داری ہے؟ خیر جانے دیجیے، امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل نئے نہیں ہیں، صدیوں پرانی ریت ہے، صدیوں سے ان الجھنوں کو سلجھانے والے آج بھی منبر و محراب پر موجود ہیں، انھوں نے دین کا فہم ہر طبقے کے عادل ترین افراد کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا، جہاں علم و حکمت سے مالامال، غیور اور خوددار، ماہر اور تجربہ کار مشائخِ عظام مسند آرا تھے۔ جبکہ یہاں نو آموز، جذبات سے مغلوب، دین کے سطحی فہم کے حامل افراد متنوع ناموں سے مختلف عزائم لیے معرکہ آرائی پر اتر آئے ہیں اور نتائج کی سنگینی سے واقف نہیں ہیں، لیکن کون سمجھائے اور کس کس کو سمجھائے، ان ''نادان دوستوں'' کے پرجوش تبصرے دیکھ کر ہمیں انشاؔ جی کا شعر یاد آ گیا:

یہ تو کہو کبھی عشق کیا ہے جگ میں ہوئے ہو رسوا بھی؟
اس کے سوا ہم کچھ بھی نہ پوچھیں باقی بات فضول میاں

انبیاے کرام علیہم السلام کے وارثین الحمدللہ موجود بھی ہیں اور فعال بھی، وہ جانتے ہیں کہ کس مرض کا علاج کون سی بوٹی میں ہے، لیکن جو ''انقلابی'' اپنا ''منہج'' ہی ریاست کی مخالفت کو بنا لیں اور اسے باطل کا اقتدار کہہ کر ''پھونک

ڈالنے ‘‘ پر تُلے بیٹھے ہوں کہ اس کی ’’ خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کریں گے ‘‘ ، یا خنجر بکف ، بے نیام تلواریں لیے کُشت وخون پر آمادہ ہوں ، ان کی خدمت میں ہم کیا عرض کریں ، شکر ہے اب تک وہ پھونک پیدا نہیں ہو سکی جو اس وطنِ عزیز کو خاک کر سکے اور نہ کبھی ایسا ہو سکے گا (ان شاء اللہ) ، وگرنہ جذبات سے لبالب انقلابیوں کے لیے تو ’’ نظام کی تبدیلی ‘‘ شاید کوئی کھیل تماشا ہے ۔ تو ٹھیک ہے ، ’’ کھیلنے دیں انھیں عشق کی بازی کھیلیں گے تو سیکھیں گے ‘‘ ۔ بہرکیف ، ماضیِ قریب میں ’’ عرب بہار ‘‘ کے عنوان سے جو کچھ عالمِ عرب میں کھیل کھیلا گیا اُس کے نتائج سبق آموز ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ متین کا صحیح فہم نصیب فرمائیں ۔ آمین

* * * * *

صوفی جمیل الرحمن عباسی

مدیر ماہنامہ مفاہیم

کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے

ماہِ ربیع الاوّل کی مناسبت سے خصوصی تحریر جسے مکرر شائع کیا جارہا ہے

محبوب کی یاد، اپنے وجود میں کسی موسم کی محتاج ہو یا نہ ہو، اپنے وفور میں اوقات کی محتاج ضرور ہوتی ہے کہ بعض مواقیت، مواجیدِ عشق میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ آج ہم پھر ربیع الاوّل میں ہیں اور موضوع ذاتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ خورشیدِ نبوتِ کاملہ و خاتمہ کا اس عالمِ رنگ و بو میں ظہور، جمہور اہلِ اسلام کی رائے کے مطابق، ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر ہوا۔ علمائے کرام نے اس حسنِ انتخاب کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تخلیقِ کائنات کے عظیم منصوبے میں پیر کا دن وہ تھا کہ جس میں روے ارضی پر درخت اور سبزے اگائے گئے جن پر حیاتِ ظاہری کا دارومدار ہے۔ اسی پیر کے دن رسولِ مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیدائش عمل میں لائی گئی کہ جن پر لوگوں کی روحانی و قلبی زندگی کا دارومدار تھا۔ ربیع بہار کو کہتے ہیں جس کی آب و ہوا معتدل ہوتی ہے اور اس میں اشجار و نبات میں روئیدگی اور نشو و نما ظہور کرتی ہے اور لوگ مادی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پس ربیع الاوّل میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیدائش گویا اس طرف اشارہ ہے کہ آپ لوگوں کے لیے اعتدال و توسط کی فراخی اور مادی و معنوی بہار لے کر آرہے ہیں۔ موسمِ ربیع و بہار قدرت کے احسانات، نعمتوں کی وسعت و بہتات اور ان چیزوں میں برکت و نشو و نما کا مظہر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت کو ایک احسان و امتنان کے طور پر ذکر کیا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (آلِ عمران: ۱۶۴) ”یقیناً اللہ نے احسان کیا اہلِ ایمان پر جب انھی میں سے ایک رسول کو ان کی جانب مبعوث فرمایا“۔ جس طرح بہار کا موسم، پژمردگی کا مانع ہے اسی طرح رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات کو کفر سے ایک مانع کے طور پر ذکر

کیا گیا: ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَى عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ﴾ (آلِ عمران: ۱۰۱) ”تم کیونکر کفر کرتے ہو کہ جب کہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں“۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں ﴿كَيْفَ﴾ تعجب کے طور پر استعمال ہوا ہے کہ اللہ کی آیات کے بعد رسولِ کریم ﷺ کی موجودگی، کفر سے ایک قوی مانع اور شبہات کے دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کے بعد بھی کوئی کفر کرے تو بڑی حیرانی کی بات ہے“۔ ایک بار نبیِ کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ» ”تم کیسے ایمان نہ لاتے کہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں“۔ (الجامع الصحیح) جس طرح موسمِ بہار، پت جھڑ اور سرما کی سختیوں کا خاتمہ بن کر آتا ہے اسی طرح ذاتِ رسول ﷺ کو عذابِ الٰہی کے موانع میں ذکر کیا گیا، فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الانفال: ۳۳) ”اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا اے نبی جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا جب تک وہ استغفار کرتے ہوں“۔ آپ ﷺ کی ہدایت یقیناً بابرکت ہے لیکن آپ کی برکت ہدایت ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی ذاتِ شریف بھی برکت کا ایک منبع ہے۔ اس بات کی وضاحت فرمانِ رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔ جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر نفاق کا اندیشہ محسوس ہوا جس کی علامت انھوں نے یہ بتائی کہ آپ ﷺ کی مجلس میں جو حضوری کی کیفیت ہوتی ہے وہ مال و عیال کے اشتغال میں جاتی رہتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنْ لَوْ تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي، وَفِي الذِّكْرِ، لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً». ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم دائمی طور پر اس طرح ہو جاؤ جیسے میرے پاس ہوتے ہو اور جیسا کہ تم ذکر کی کیفیت میں ہوتے ہو تو فرشتے تمھارے بستروں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ یہ تو وقت وقت کی بات ہوتی ہے“۔ (مسلم) تو رسول اللہ ﷺ نے حضوری کی کیفیت میں معاون دو

چیزوں کا ذکر کیا: ایک تو اپنی صحبت ومحفل «مَا تَكُونُونَ عِنْدِي» اور دوسرے آپ ﷺ کا ذکر وتلقین «وَفِي الذِّكْرِ»، اسی کی تفصیل سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس تبصرے میں ملتی ہے، فرماتے ہیں: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا. ”جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ ﷺ کا انتقال ہوا، ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے آپ ﷺ کو دفن کرکے اپنے ہاتھ تک نہیں جھاڑے تھے اور آپ ﷺ کے دفن میں مشغول تھے کہ ہمارے دلوں میں تغیر پیدا ہوگیا“۔ صاحبِ مرقاۃ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لِانْقِطَاعِ مَادَّةِ الْوَحْيِ، وَفُقْدَانِ بَرْكَةِ صُحْبَتِهِ وَأَثَرِ إِكْسِيرِ حُضُورِ حَضْرَتِهِ. ”کیفیتوں میں یہ فرق وحی کے انقطاع اور آپ ﷺ کی صحبتِ بابرکت اور آپ کی اکسیر اثر موجودگی کے فقدان کی وجہ سے آیا تھا“۔ اس میں کیا شک کہ رسول اللہ ﷺ کی برکتوں کو بچشمِ سر دیکھنے کا موقع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو ملا۔ اسی دیکھنے کی عظمت کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فضیلتوں کے حامل بنے۔ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ان الفاظ میں: «طُوبَى لِمَنْ رَآنِي وَمَنْ رَأَى مَنْ رَآنِي وَمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى مَنْ رَآنِي». (المعجم الاوسط) ”بشارت ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور اس کے لیے بھی کہ جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا اور اس کو بھی بشارت کہ جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والے کو دیکھا“۔

خوش رہیں تیرے دیکھنے والے
ورنہ کس نے خدا کو دیکھا ہے

لیکن خدائے رحیم اور نبی کریم ﷺ نے بعد والوں کو بھی محروم نہیں رکھا بلکہ انھیں بھی بشارتوں سے نوازا گیا۔ کہیں تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے بعد والوں کو اپنا بھائی قرار دیا گیا: «أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانِي الَّذِينَ آمَنُوا بِي وَلَمْ يَرَوْنِي». ”تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے لیکن انھوں نے مجھے

دیکھا نہیں"۔ (المعجم الاوسط) اور کہیں ان کے ایمان کو خوب صورت ایمان قرار دیا گیا: «أَعْجَبَ النَّاسِ إِيمَانًا، قَوْمٌ يَجِيئُونَ مِنْ بَعْدِي، يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي». (المعجم الکبیر) "لوگوں میں خوب صورت ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے"۔ ہدایت و ذاتِ محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام دونوں کی برکت کا تسلسل، رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیاتِ دنیوی کے بعد بھی جاری ہے۔ اس ضمن میں حرفِ آخر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ فرمان ہے: «حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ يُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ». (کشف الاستار زوائد مسند البزار) "میری زندگی تمھارے لیے بہتر ہے، تم مجھ سے (مشکلات و مسائل) بیان کرتے ہو اور (میری طرف سے) تمھارے لیے حل بیان کیے جاتے ہیں۔ اور میری وفات بھی تمھارے لیے بہتر ہے کہ تمھارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، جو اچھے ہوتے ہیں ان پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو اعمال برے ہوں ان پر میں اللہ کی جناب میں تمھارے لیے استغفار کرتا ہوں"۔

* * * * *

مولانا محمد اقبال
معاونِ شعبۂ تحقیق و تصنیف و ترجمہ

مبارک ثانی کیس اور سپریم کورٹ کا فیصلہ: دیر آید درست آید

ختمِ نبوت یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول کسی بھی شکل میں مبعوث نہیں ہو سکتا، یہ اسلام کے ان اساسی عقائد میں سے ایک ہے جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا۔ اور یہ عقیدہ محکم نصوصِ قرآنی، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امّت سے ثابت ہے۔ ساڑھے چودہ سو سال سے پوری امّت اسی عقیدے پر گامزن ہے اور اس کا ہر فرد عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ کی نگہبانی اپنا دینی فریضہ تصور کرتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے کسی بھی دور میں اس فریضے سے غفلت نہیں برتی۔ جب بھی کسی زمانے میں کسی جھوٹے نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امت نے نہ صرف یہ کہ اسے مسترد کیا بلکہ ایسے جھوٹے نبیوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا گیا۔ کیونکہ ختمِ نبوّت کے عقیدے کا منکر نہ صرف دائرۂ اسلام سے خارج ہے بلکہ ایسا شخص زندیق کہلاتا ہے، جس کا شریعتِ اسلامی میں حکم یہ ہے کہ اسلامی حکومت اسے سزائے موت دے گی۔ اس کی مثال صدرِ اسلام میں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی جیسے جھوٹے نبی ہیں، جن کے وجودِ نامسعود سے زمین پاک کر دی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا انکار صرف کفر نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کی پوری عمارت ڈھانے کے مترادف ہے۔

جب اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مغربی سامراج نے برِّ صغیر پر قبضہ کیا تو فطری طور پر مسلمان قوم ان کا ہدف بنی کیونکہ یہاں وہ اقتدار مسلمانوں سے چھین چکے تھے۔ چنانچہ اسلامی معاشرت کی بیخ کنی کے لیے انھوں نے بڑا زور لگایا۔ اس مقصد کے لیے انگریزوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے اور انھیں آپس میں تقسیم کرنے کی پالیسی اختیار کی جس کے نتیجے میں مسلمان مختلف مسلکی گروہوں میں بٹ گئے۔ پھر اسی پر بس

نہیں کیا اور یہاں ایک جھوٹے شخص مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں مدعیِ نبوت کھڑا کیا، جس نے پہلے مہدی، پھر مسیح اور بعد میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس جھوٹے دعوے کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے پیروکاروں کو مسلمان اور دیگر تمام مسلمانوں کو کافر کہلوانے پر بھی اصرار کیا۔ چنانچہ ملتِ اسلامیہ نے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس جھوٹے شخص کا تعاقب کیا۔ انگریز دورِ حکومت میں محدّثِ کبیر مولانا انور شاہ کشمیری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، پیر مہر علی شاہ، علامہ محمد اقبال، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ جیسے اکابرِ امّت نے اس فتنے کی سنگینی اور اس کے عواقب و نتائج کا احساس کیا، اور وقت کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیٰحدہ قوم قرار دیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے عدالتوں میں قانونی جنگ بھی لڑی اور اس موضوع پر گراں قدر کتب بھی تصنیف فرمائیں۔ پھر جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کئی تحریکیں چلیں اور ہزاروں جان نثارانِ ختمِ نبوّت نے اس راہ میں جانیں قربان کیں۔ بالآخر ان عظیم قربانیوں کی بدولت ٧ ستمبر ١٩٧٤ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں اس موضوع پر طویل مباحثہ ہوا اور قادیانیوں کو اس میں اپنا موقف پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا۔ چنانچہ طویل جرح، سوال و جواب اور غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ پھر صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ١٩٨٤ء میں آرڈیننس پاس کیا جس میں قادیانیوں پر اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے اور اسلامی شعائر اختیار کرنے پر پابندی لگائی۔ اس کے بعد جب بھی آئین میں ترامیم کی گئیں تو پارلیمنٹ نے ختمِ نبوت سے متعلق دفعات کو اپنی اصل شکل میں بحال رکھا۔ بعد ازاں پاکستان کے ساتھ دنیا کے دیگر اسلامی ممالک میں بھی قادیانیوں کو ملتِ اسلامیہ سے الگ تصور کیا گیا۔ باوجود اس کے کہ قادیانی زندیق ہیں اور زندیق سزائے موت کا مستحق ہوتا ہے، پھر بھی پاکستان کے آئین میں انھیں رعایت دے کر غیر مسلم اقلیت کے طور پر قبول کیا گیا اور دیگر اقلیتوں کی طرح ان کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا۔ مگر قادیانی ملتِ اسلامیہ کے اس اجتماعی فیصلے پر راضی نہیں ہیں اور آئینِ پاکستان کی ان دفعات کی مکمل نفی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ بین الاقوامی سپورٹ کے ذریعے آئینِ پاکستان کی ان دفعات پر اثر انداز ہونے کی کوشش بھی کرتے رہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستانی قوم نے ان کی یہ ناپاک

کوششوں کو ہمیشہ ناکام بنایا ہے۔ لہذا ختمِ نبوّت کا عقیدہ جہاں اسلام کے اساسی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے وہاں یہ واحد مسئلہ ہے جس کے متعلق پاکستان کے تمام طبقات باہم متحد و متفق ہیں۔ جب بھی یہ مسئلہ اٹھتا ہے وہ آپس کے تمام اختلافات بھلا کر یک زبان ہو جاتے ہیں۔ اس سے قادیانیوں کے متعلق پاکستانی قوم کی حساسیت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی آئین میں ترمیم کا موقع آیا ہو یا قادیانیوں کے متعلق اعلیٰ عدالتوں میں کوئی مقدمہ چل رہا ہو تو پاکستان کے عوام کی نظریں اسی طرف لگی رہتی ہیں کہ کہیں کسی بیرونی دباؤ کے تحت ان دفعات سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے یا کوئی ایسی عدالتی تشریح سامنے نہ آئے جس سے یہ مسئلہ پھر سے اُٹھ جائے۔

چنانچہ ان ہی مسائل میں سے ایک مبارک ثانی کیس بھی ہے جس کی تفصیلات یہاں پیشِ خدمت ہیں:

پانچ سال قبل ۷ مارچ ۲۰۱۹ء کو چناب نگر میں قادیانی کمیونٹی کے کچھ افراد نے ایک تعلیمی ادارے میں قرآن کی تحریف شدہ تفسیر "تفسیرِ صغیر" کو بچوں اور بچیوں میں تقسیم کیا۔ جب تحریکِ ختمِ نبوّت سے وابستہ حضرات کو اس واقعے کا پتا چلا تو انھوں نے تین سال کی کوششوں کے بعد ۶، دسمبر ۲۰۲۲ء کو اس مبینہ جرم کے مرتکبین کے خلاف پنجاب قرآن پرنٹنگ اینڈ ریکارڈنگ ایکٹ ۲۰۱۱ء، تعزیراتِ پاکستان دفعہ ۲۹۵ بی، اور دفعہ ۲۹۸ سی کے تحت مقدمہ درج کیا۔ چنانچہ ۷، جنوری ۲۰۲۳ء کو مذکورہ بالا قانونی شقوں کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش میں مبارک ثانی نامی شخص کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد مبارک ثانی کی گرفتاری کے خلاف اپیل دائر کی گئی جو پہلے ایڈیشنل جج اور پھر لاہور ہائیکورٹ نے مسترد کر دی۔ چنانچہ اس کی اپیل سپریم کورٹ میں دائر کی گئی۔ ملزم کے وکیل کی طرف سے موقف اختیار کیا گیا کہ جب مبینہ ملزم نے یہ جرم کیا تھا اس وقت پنجاب قرآن پرنٹنگ اینڈ ریکارڈنگ ایکٹ ۲۰۱۱ء (اگر کوئی غیر مسلم شخص قرآنِ کریم کی کسی آیت کا ایسا ترجمہ یا ایسی تفسیر کرتا ہے جو مسلمانوں کے عقائد سے متصادم ہو، تو ایسی کتاب کا لکھنے والا، پرنٹ کرنے یا چھاپنے والا، اور ریکارڈ کرنے والا دفعہ ۹ کے تحت سزا کا مستحق ہوگا) کے تحت کسی متنازع کتاب کو تقسیم کرنا جرم تھا ہی نہیں، اس لیے ملزم پر اس کے متعلق فردِ جرم عائد نہیں کی جاسکتی۔ ملزم کے وکیل نے یہ بھی کہا کہ ملزم پر تعزیراتِ پاکستان دفعہ ۲۹۸ سی اور ۲۹۵ بی کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ یہ ایف آئی آر کے مندرجات اور چالان کے مطابق نہیں۔ ملزم کے وکیل کے مذکورہ موقف کے بعد سپریم کورٹ نے

آئین کے آرٹیکل ۱۲ کا حوالہ دیتے ہوئے فیصلہ صادر کیا کہ کسی شخص پر کسی ایسے جرم کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا جو اس وقت جرم تھا ہی نہیں جب وہ اس کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اسی طرح عدالت نے مدعی کے وکیل سے کہا کہ ایف آئی آر اور چالان میں کوئی ایسی بات موجود نہیں ہے جس سے ملزم پر مذکورہ دفعات کا اطلاق ہوتا ہو۔ لہذا کمزور ایف آئی آر اور تکنیکی غلطیوں کی وجہ سے سپریم کورٹ کے تین رکنی بنچ نے ملزم کی ضمانت منظور کر لی، اور کہا کہ ایڈیشنل سیشن جج نے ملزم پر جو فردِ جرم عائد کی ہے اس میں سے مذکورہ دفعات خارج کی جاتی ہیں۔ عدالت نے مزید ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ مذہبی معاملات سے متعلق کیس دیکھتے ہوئے عدالتوں کو انتہائی احتیاط برتنی چاہیے، یہ بھی کہا کہ اسلام میں جبر نہیں ہے کیونکہ یہ فلسفۂ احتساب کے خلاف ہے۔ عدالت نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۰، اے نے ہر شہری کو کوئی بھی مذہب اپنانے، عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق دیا ہے۔ اسی آرٹیکل کی شق بی کے تحت ہر مذہبی اقلیت کو مذہبی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق حاصل ہے۔ عدالت نے کہا کہ آرٹیکل ۲۲ میں کسی بھی مذہبی فرقے کو اپنے فرقے کے طلبہ کے لیے قائم کردہ تعلیمی اداروں کے اندر اپنی مذہبی تعلیمات دینے کا حق دیا گیا ہے۔ لہذا یہ ایسے بنیادی حقوق ہیں جو سلب نہیں کیے جا سکتے۔

عدالت کے اس فیصلے اور اس کے ضمن میں مذکوہ ریمارکس نے کافی الجھنیں پیدا کیں اور عام طور پر اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا کہ سپریم کورٹ نے قادیانیوں کو تبلیغ کی اجازت دے دی ہے۔ کیونکہ عدالت نے یہاں عام اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ پر مشتمل دفعات کے ضمن میں قادیانیوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے دے کر تعزیرات پاکستان دفعہ ۲۹۸ سی میں قادیانیوں کی دیگر اقلیتوں سے الگ حیثیت سے صرفِ نظر کیا۔ اگر ہم جائزہ لیں تو دفعہ ۲۹۸ سی عام اقلیتوں کے برعکس خصوصی طور پر قادیانیوں کی حیثیت واضح کرتی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:
”قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ کا کوئی بھی فرد جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، یا اپنے عقیدے کو اسلام کہتا ہے، یا اس کی تبلیغ کرتا ہے، خواہ الفاظ کے ذریعے، یا زبانی یا تحریری، یا ظاہری نمائندگی کے ذریعے، یا کسی بھی طریقے سے جو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتا ہے، اسے ایک مدت کے لیے قید کی سزا دی جائے گی۔ اس میں تین سال تک توسیع ہو سکتی ہے اور جرمانہ بھی ہو گا“۔ اتنے واضح آئینی نقطۂ نظر کے باوجود عدالتی

فیصلے سے ایسا محسوس ہوا کہ سپریم کورٹ قادیانیوں کو دیگر اقلیتوں کی طرح باور کراتی ہے۔ بہرحال، اس فیصلے کے قانونی پہلو جو بھی تھے مگر عدالت کے ان غیر ذمے دارانہ ریمارکس نے یہ شبہہ ضرور پیدا کیا کہ خدانخواستہ مستقبل میں یہ ریمارکس غلط انداز میں عدالتی نظیر کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے نے پوری قوم کو مایوس کیا، اور اس کیس کی حساسیت کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام نے اس فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے پنجاب حکومت نے سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف نظرِ ثانی کی درخواست دائر کی جو سپریم کورٹ نے منظور کرلی۔ اس کے ساتھ سپریم کورٹ کی درخواست پر تمام مکاتبِ فکر کے معتبر علمائے کرام نے اپنا متفقہ موقف بھی سپریم کورٹ میں پیش کیا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ نے ۲۹ مئی ۲۰۲۴ء کو اپنے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ ایف آئی آر کے مطابق ملزم نے ۲۰۱۹ء میں جو ”تفسیرِ صغیر“ تقسیم کی وہ پنجاب کے اشاعتِ قرآن قانون کے تحت جرم ہے، لیکن یہ قانون ۲۰۲۱ء میں لاگو ہوا، جبکہ ۲۰۱۹ء میں ایسا کرنا جرم نہیں تھا۔ کیونکہ پنجاب قرآن پرنٹنگ اینڈ ریکارڈنگ ایکٹ ۲۰۱۱ء کے تحت صرف لکھنے والا، پرنٹ کرنے والا، اور شائع کرنے والا مجرم تھا، جبکہ تقسیم کرنے والا اس قانون کے تحت مجرم نہیں تھا۔ لہذا، ۲۰۱۹ء میں ہونے والے واقعے پر ان دفعات کا اطلاق نہیں ہو سکتا جو ۲۰۲۱ء میں بطورِ جرم قانون میں شامل ہوئیں۔ عدالت کے مذکورہ فیصلے میں قانونی نکات کی تشریح میں ماہرینِ قانون اور علمائے کرام نے کافی تسامحات کی نشاندہی کی اور ان غلط عدالتی تشریحات نے معاملے کی حساسیت میں مزید اضافہ کیا اور اس کے نتیجے میں پوری قوم میں اشتعال پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ معاملہ قومی اسمبلی تک پہنچا اور قومی اسمبلی کے اراکین نے متفقہ طور پر اس فیصلے پر عدمِ اطمینان ظاہر کیا۔ اسپیکر قومی اسمبلی نے اسے قائمہ کمیٹی برائے قانون و انصاف میں زیرِ بحث لانے کا فیصلہ کیا۔ کمیٹی کے اجلاس میں تمام جماعتوں نے متفقہ موقف اختیار کیا کہ اس مقدمے کے قانونی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لیے علمائے کرام اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے ساتھ سپریم کورٹ میں اضافی نظرِ ثانی کی درخواست دائر کی جائے۔ لہذا، ۱۷، اگست کو یہ درخواست دائر کی گئی جو سپریم کورٹ نے منظور کرلی۔ ۲۲، اگست کو چیف جسٹس پر مشتمل تین رکنی بنچ نے اس کیس کی سماعت کی اور تمام مکاتبِ فکر کے جید علمائے کرام کو دعوت دی تاکہ وہ شرعی رہنمائی کریں۔

سپریم کورٹ کی دعوت پر تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علمائے کرام، دینی جماعتوں کے رہنما اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان عدالت میں حاضر ہوئے۔ ان میں جمعیت علمائے اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن، مولانا محمد طیب قریشی، مفتی شیر محمد خان، صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر اور مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اور دیگر علمائے کرام شامل تھے۔ مفتی منیب الرحمٰن، حافظ نعیم الرحمٰن، پروفیسر ساجد میر اور مولانا اعجاز مصطفیٰ نے اپنے نمائندے بھیج دیے۔ جبکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ترکیہ کے سفر پر ہونے کی وجہ سے اور علامہ جواد نقوی لاہور سے بذریعۂ ویڈیو لنک شریک ہوئے۔ چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ نے تمام علمائے کرام کی رہنمائی پر ان کا شکریہ ادا کیا، اور خاص طور پر شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آئے۔ چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ نے بڑے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں انسان ہوں، مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے، آپ حضرات فیصلے میں غلطی کی نشاندہی کریں، مجھے اس کی اصلاح کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم نے فیصلے کے متنازع پیراگراف ۷ اور ۴۲ کی نشاندہی کی جس سے تمام علمائے کرام نے اتفاق کیا۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ پیراگراف سات میں لکھا ہے کہ احمدی نجی تعلیمی ادارے میں تعلیم دے رہا تھا۔ اس سے یہ تاثر مل رہا ہے کہ قادیانی اپنے نجی تعلیمی ادارے بنا سکتے ہیں اور ان میں اپنے فرقے کی تعلیم دے سکتے ہیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح فیصلے کے پیراگراف بیالیس میں لکھا گیا ہے کہ احمدیوں کے دونوں گروہوں (قادیانی گروہ اور لاہوری گروہ) کو غیرِ مسلم قرار دینے کے بعد انھیں آئین اور قانون کے مطابق اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے اور اس کے اظہار اور اس کی تبلیغ کا حق اس شرط کے ساتھ حاصل ہے کہ وہ عوامی سطح پر مسلمانوں کی دینی اصطلاحات استعمال کریں گے اور نہ ہی عوامی سطح پر خود کو مسلمانوں کے طور پر پیش کریں گے۔ اس پیراگراف میں تبلیغ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی اجازت دی گئی ہے۔ ان دونوں پیراگرافوں سے جو متبادر ہو رہا ہے وہ تعزیراتِ پاکستان دفعہ ۲۹۸ سی کے خلاف ہے، جو قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم نے تجویز دی کہ یہ پیراگراف اپنے متعلقات سمیت مکمل حذف کیے جائیں، اور پیراگراف

۴۹کی ایک عبارت کو اس عبارت سے تبدیل کیا جائے: ”جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ پیشِ نظر مقدمے کے ملزَم پر مجموعی تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵بی اور سی، اور ۲۹۸بی اور سی کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں، ضمانت کے اس مقدمے میں جبکہ ملزَم کا ٹرائل ابھی باقی ہے ہم یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اس پر کوئی فیصلہ دیں۔ چونکہ ٹرائل کورٹ میں ابھی مقدمہ چل رہا ہے، ٹرائل کورٹ کو چاہیے کہ ہمارے فیصلے مورخہ ۶، فروری سے متاثر ہوئے بغیر مقدمے کی کارروائی جاری رکھے اور تمام حالاتِ مقدمہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کا خالص میرٹ پر فیصلہ کرے کہ ملزم پر مذکورہ دفعات کے تحت جرم بنتا ہے یا نہیں۔ اور اس طرح نظرِ ثانی کی تمام درخواستیں جزوی طور پر منظور کی جاتی ہیں“۔ جناب چیف جسٹس نے مذکورہ عبارت کا متن طلب کیا، اور علمائے کرام اور قانونی ماہرین کی تجاویز سننے کے بعد مبارک ثانی کیس میں ضمانت کا فیصلہ برقرار رکھتے ہوئے سپریم کورٹ کے فیصلے سے پیراگراف ۷ اور ۴۲ کو حذف کرنے کا حکم دے دیا۔ اور ساتھ یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کیس کے حذف شدہ پیراگراف کو کسی بھی دوسرے کیس میں بطورِ عدالتی نظیر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بھی کہا کہ قادیانیوں کو آئین اور قانون کے مطابق حقوق صرف دو صورتوں میں ملیں گے یا تو وہ خود کو غیر مسلم تصور کرلیں یا پھر ختمِ نبوّت کو مان لیں۔

بہرحال، چیف جسٹس نے فیصلے میں موجود غلطیوں کو نہ صرف کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے ان کی تصحیح کی بلکہ انھوں نے ایک انتہائی حساس معاملے کو جو پورے ملک میں بے چینی کا باعث بنا ہوا تھا بڑی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ چنانچہ پوری قوم نے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی تحسین کی اور جمعیت علمائے اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے چیف جسٹس کے مثبت رویے پر انھیں داد دی اور جمعے کو یومِ تشکر منانے کا اعلان کیا۔ اسی طرح انھوں نے ۷، ستمبر کو ختمِ نبوّت کو آئین کا حصہ بنتے ہوئے پچاس سال پورے ہونے پر مینارِ پاکستان لاہور کے مقام پر گولڈن جوبلی منانے کا بھی اعلان کیا۔

* * * * *

مولانا معراج محمد
رکنِ مجلسِ مشاورت، ماہ نامہ مفاہیم، کراچی

عالمِ عرب کی اسلامی تحریکیں اور مستشرقین

حسن البنا شہید کی قائم کردہ اخوان المسلمین عالمِ عرب کی ایک نمایاں اور موثر اسلامی تحریک ہے، اس کی جڑیں پورے عالمِ عرب میں بلکہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ علمی، سماجی اور جہادی میدانوں میں اس نے تاریخی کارنامے رقم کیے ہیں۔ سیاست میں بھی یہ متعدّد ممالک میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ استعمار کے خلاف ہر معرکے میں چاہے وہ عالمِ عرب سے برطانوی اور فرانسیسی استعمار کے خاتمے کی جدوجہد ہو یا صیہونی ریاست کی ناک میں نکیل ڈالنا ہو، اس نے ہراوَل دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ گذشتہ صدی میں سوشل ازم کے مقابلے میں بھی اس کا کردار اہمیت کا حامل تھا۔ سوشل ازم کے مقابلے میں عرب ممالک اور کسی حد تک امریکہ کو بھی اخوان کا ساتھ دینے کی ضرورت تھی، اس لیے وہ عرب ممالک جو امریکی کیمپ میں تھے اخوانیوں کے ان کے ساتھ اچھے تعلقات رہے۔ اور جن عرب ممالک میں سوشلسٹ جماعتوں کا قبضہ تھا، وہاں اخوانی ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ اس زمانے میں اخوانی قیادت ان عرب ممالک میں پناہ گزین رہی جو امریکی کیمپ میں تھے۔ مگر کویت عراق جنگ کے بعد یہ صورتِ حال برقرار نہ رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا کی عام اسلامی تحریکوں طرح مصر کی اخوان المسلمین نے بھی عراق کویت جنگ کی آڑ میں آئی ہوئی امریکی افواج کی مخالفت کرتے ہوئے عراق کی حمایت کی اور عالمِ عرب سے امریکی افواج کے انخلا کے لیے مہم شروع کی۔ اس کے بعد ان ممالک میں بھی اخوانیوں کے لیے حالات سازگار نہ رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کویت سمیت متعدّد ممالک کے اخوانیوں نے اپنے اپنے ممالک میں الگ ناموں سے اپنی شناخت متعارف کرائی، اور صرف نظریاتی طور پر اخوان کی نسبت پر اکتفا کیا۔ پھر جب سوشل ازم کا خطرہ ٹل گیا تو اخوانیوں کی مشکلات میں بھی اضافہ ہونے لگا اور رہی سہی کسر عرب بہار نے پوری کر دی۔

اسلامی تحریکیں دورِ جدید میں احیاے اسلام کے لیے اپنے فعال کردار کی بنا پر مستشرقین کی توجہ کا بھی مرکز رہی ہیں۔ اخوان المسلمین اس میں سرِفہرست ہے۔ اس تحریک کا خصوصی مطالعہ کرنے والوں میں سے بعض مشہور نام یہ ہیں: پروفیسر کیری روسفیسکی ویکام (Carrie Rosefsky Wickham)، مناغباشی، ماسان براون اور حسام تمام وغیرہ۔ عام طور پر مستشرقین اسلامی تحریکوں کو اعتدال پسند اور انتہا پسند کے خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں جہادی تنظیموں کو انتہا پسند جبکہ سیاسی اور دعوتی میدانوں میں سرگرم تحریکوں کو اعتدال پسند قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ تاریخی طور پر ان کی نظریاتی اور عملی تبدیلیوں کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔ امریکی ریاست جارجیا کے ایموری یونیورسٹی میں سیاسیات کی معاون پروفیسر کیری روسفیسکی ویکام (Carrie Rosefsky Wickham) نے تقریباً دو عشرے اخوان المسلمین کی تحریک کے متعلق تحقیق میں گزارے۔ انھوں نے بریسٹن یونیورسٹی سے اپنا پی ایچ ڈی مقالہ اخوان المسلمین پر لکھا اور ۲۰۰۲ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، جس کے لیے انھوں نے کئی برس مصر میں گزارے۔ اس کے بعد انھوں نے اخوان پر "اخوان المسلمین: اسلامی تحریک کا ارتقا" (The Muslim Brotherhood: Evolution of an Islamist Movement) کے عنوان سے دوسری کتاب لکھی، جس کی تیاری میں انھوں نے نو سال صرف کیے۔ اس کتاب میں انھوں نے اسلامی تحریکوں کو دیکھنے کا تناظر ہی بدل دیا۔ وہ یہ سوال اٹھاتی ہیں کہ اسلامی تحریکوں میں اعتدال پسندی سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ بھی مغربی معیار کے مطابق لبرل اور جمہوری موقف اختیار کرتی ہیں یا محض اسلحہ نہیں اٹھاتیں اور سیاست میں حصہ لیتی ہیں؟ ویکام چار الگ معیارات قائم کر کے اسلامی تحریکوں کی تاریخی تبدیلیوں کا جائزہ لیتی ہیں:

۱) اسلامی تحریکوں کا دینی نصوص کی تفسیر و تشریح میں انفرادی آرا اختیار کرنے کے بارے میں موقف کیا ہے؟

۲) دوسروں کی آرا قبول کرنے اور اقداری اور ثقافتی معاملات میں افراد پر خاص ہیئت لازم کرنے کے بارے میں ان تحریکوں کی کیا آرا ہیں؟

۳) ان تحریکوں کا سیاسی رواداری، انفرادی آزادی اور انفرادی طرزِ حیات اپنانے کے بارے میں کیا موقف ہے؟

۴)ان تحریکوں کا وطنیت اور مساوات کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے، چاہے وہ مرد و خواتین سے متعلق ہو یا مسلم اور غیر مسلم سے متعلق، خاص طور پر شخصی معاملات میں جیسے نکاح و طلاق اور میراث وغیرہ۔

ویکام جس طرح اسلامی تحریکوں کا تاریخی طور پر فکری اور سماجی تبدیلیوں کا جائزہ لیتی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہلِ مغرب کس باریک بینی اور محنت سے ہمارے حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور پھر ظاہر ہے پالیسیاں بھی اسی حساب سے بنتی ہیں۔ اس ساری صورتِ حال میں غورِ طلب امر یہ ہے کہ وہ ممالک جنھوں نے مغرب کی نظر میں اپنے آپ کو قابلِ قبول بنانے کے لیے اسلام کا جدید چہرہ پیش کرنے کا راستہ اپنایا ہے، اور اپنے اقتدار بچانے کی خاطر اخوان المسلمین اور دیگر اسلامی تحریکوں کے برعکس امریکہ اور اسرائیل سے بنا کر رکھنے کی پالیسی اختیار کی ہے، ان کا یہ ماڈل بھی کامیاب ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ مغرب کے یہاں ہمارے معتدل اور غیر معتدل یا دوسرے لفظوں میں قابلِ قبول اور ناقابلِ قبول ہونے کا معیار کیا ہے، اس کا اندازہ مذکورہ بالا سطور سے کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ہمارے اہلِ تجدد اور حکمران چاہے کتنا ہی منظورِ نظر بننے کی کوشش کریں جب تک وہ مغرب کے طے کردہ معیارات پر پورے نہیں اتریں گے اور مسلمان معاشروں کو مکمّل طور پر تحلیل کر کے مغربی تہذیب میں ضم میں نہیں کریں گے مغرب کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوسکتے۔ مگر کیا ہمارے اہلِ دانش اور اربابِ اقتدار اس کے لیے تیار ہیں؟

* * * * *

شمس الرحمٰن فاروقی

اکبر الٰہ آبادی، نو آبادیاتی نظام اور عہدِ حاضر

اکبر الٰہ آبادی کے بارے میں چند باتیں عام ہیں۔ ہم انھیں دو حصوں میں منقسم کر کے مختصراً یوں بیان کر سکتے ہیں:

(۱) اکبر طنز و مزاح کے بڑے شاعر تھے۔ (۲) وہ حریت پسند تھے۔ (۳) انھوں نے انگریز کی مخالفت میں پرچم تو نہیں اٹھایا لیکن بہت سی انگریز مخالف باتیں ضرور لکھیں۔

دوسرے حصے میں حسب ذیل باتیں ہیں:

(۱) وہ ترقی کے مخالف تھے، یعنی انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ (۲) انگریزی تعلیم ہی نہیں، وہ تمام جدید چیزوں، مثلاً ریل، تار، چھاپہ خانہ، ٹیلی فون، صنعت و حرفت، ان سب کے مخالف تھے۔ (۳) وہ جدید تہذیب کے اداروں، مثلاً سیاسی پارٹی، کانفرنس، کونسل، کونسل کی ممبری وغیرہ ان سب کے مخالف تھے، حالانکہ یہ چیزیں دراصل ہمارے لیے آزادی کا پیش خیمہ تھیں۔ (۴) وہ عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے بھی مخالف تھے۔ (۵) لہٰذا وہ رجعت پرست تھے، نئی روشنی کے دشمن تھے اور آج ان کی شاعری ہمارے مطلب کی نہیں ہے۔

مندرجہ بالا باتوں میں سے سب نہیں تو زیادہ تر باتیں اکبر کے موافقین بھی کہتے ہیں، یعنی اکبر کے موافقین کی نظر میں بھی اکبر ایک مزے دار طنزیہ مزاحیہ شاعر تھے، لیکن ان کا پیغام اب ہمارے لیے نقصان دہ نہیں تو بے معنیٰ ضرور ہے۔ قمر رئیس صاحب نے تو حال میں یہ بات بھی کہی ہے کہ جوش ملیح آبادی کا اکبر سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ جوش تو اکبر سے بہت ہی زیادہ بڑے شاعر ہیں۔ دوسری بات جس پر اکبر کے چاہنے والے اور اکبر سے چڑنے والے دونوں متفق ہیں، یہ ہے کہ طنزیہ شاعری کی عمریں بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ جب اسبابِ طنز نہ رہیں تو طنز بھی اپنی قوت اور معنیٰ کھو دیتا ہے، لہٰذا اکبر کا المیہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی

زیادہ تر تخلیقی قوت طنز و مزاح میں صرف کی۔ وہ مسائل نہ رہے جن کو انھوں نے اپنے طنز کا موضوع بنایا تھا تو وہ طنز بھی نہ رہا، صرف کتابی بات ہو کر رہ گیا۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ میں اکبر کو اردو کے پانچ سب سے بڑے شاعروں میں شمار کرتا ہوں اور دنیا کے طنزیہ مزاحیہ ادب میں اکبر کا مقام بہت بلند سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اکبر کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اور ان کے کلام کو سطحی طور پر یا سرسری پڑھ کر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ وہ ایک قدامت پسند بوڑھے تھے۔ اگرچہ جذبۂ حریت ان میں ضرور تھا اور اپنے طنز کو انھوں نے سماجی اصلاح کے مقصد کے لیے استعمال تو کیا، لیکن انھوں نے یہ نہ سوچا کہ اصلاح اور ترقی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ترقی کے خلاف رہیں تو اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس میرا خیال یہ ہے کہ اکبر پہلے شخص ہیں جن کو بدلتے ہوئے زمانے، اس زمانے میں اپنی تہذیبی اقدار کے لیے خطرہ اور انگریزی تعلیم و ترقی کو انگریزی سامراج کے قوت مند ہتھیار ہونے کا احساس شدت سے تھا اور انھوں نے اس کے مضمرات کو بہت پہلے دیکھ لیا تھا۔ اس معاملے میں مہاتما گاندھی اور اقبال بھی ان کے بعد ہیں۔ ہونا بھی چاہیے، کیونکہ اکبر کی پیدائش ۱۸۴۶ء کی ہے، مہاتما گاندھی ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے اور اقبال ۱۸۷۷ء میں۔ میں نے ایک مضمون میں اسی تہذیبی بحران کا ذکر کیا ہے جس کا احساس اکبر کو تھا اور جس کی بنا پر انھوں نے انگریزی سامراج کی علامتوں کو مطعون کیا۔ آج کی صحبت میں اس سے ذرا مختلف مضمون بیان کرنا مقصود ہے، یعنی اکبر دراصل محض غیر ملک کی غلامی کے خلاف نہیں تھے، بلکہ وہ نوآبادیاتی نظام کے خلاف تھے اور انھوں نے سرمایہ داری اور نوآبادیاتی نظام میں مضمر کئی بنیادی خطرات کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ صرف رسماً انگریز مخالف نہیں تھے اور نہ ہی وہ محض قدامت پرستی کی بنا پر مغربی تہذیب کے خلاف تھے۔

کچھ دن ہوئے الٰہ آباد میں ایک سیمینار ''اکبر الٰہ آبادی اور نوآبادیاتی تجربہ'' کے بارے میں ہوا تھا۔ اس سیمینار میں فضیل جعفری نے اکبر کو محض روایتی قدامت پسند نہیں بلکہ روشن خیال قوم پرست ثابت کیا۔ ہندی کے مشہور نقاد راجندر کمار نے اپنے مضمون میں مہاتما گاندھی کی کتاب Hind Swaraj مطبوعہ ۱۹۰۸ء کا ذکر کیا جس میں گاندھی جی نے ریل گاڑی اور تار وغیرہ کے بارے میں بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو اکبر کہتے تھے۔

راجندر کمار نے مہاتما گاندھی کی کتاب کے پہلے کی ایک مراٹھی کتاب ''دیشیر کتھا'' مطبوعہ ۱۹۰۴ء کا بھی ذکر کیا جس کے مصنف گنیش سکھارام دیوسکر (Devaskar Sakharam Ganesh) نے بھی تار، ریل، جدید ذرائعِ تجارت وغیرہ کو اصلاً انگریزی راج کے ہتھکنڈوں سے تعبیر کیا اور کہا کہ یہ وسائل دراصل نوآبادیاتی حاکم کی قوت کو پھیلاتے اور مضبوط کرتے ہیں۔ دیوسکر کا ترجمہ ہندی میں ہو چکا ہے اور میں اس کی رسمِ اجرا میں شریک تھا۔ افسوس کہ اردو والے ابھی بظاہر اس سے بے خبر ہیں۔ راجندر کمار کا کہنا یہ نہیں ہے کہ مہاتما گاندھی اور یا گنیش سکھارام دیوسکر نے اکبر کو پڑھا ہوگا اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں۔ میں نے اپنے مضمون مطبوعہ ۲۰۰۲ء میں یہی کہا تھا کہ اکبر کو نوآبادیاتی اور سامراجی نظام کی تخریبی قوتوں کا احساس تھا، ورنہ وہ یوں ہی محض قدامت پرستی کی ضدم ضدا میں یہ نہیں کہتے تھے:

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

اکبر کی پہلی عظمت اس بات میں ہے کہ مہاتما گاندھی اور اقبال دونوں نے مغرب اور اس کی تہذیب اور تعلیم کو براہِ راست اور بہت قریب سے دیکھا تھا، لیکن اکبر نے ملک کے باہر جائے بغیر اس تہذیب اور تعلیم کی علامتوں اور مضمرات کو سمجھ لیا۔ اکبر کے خلاف یہ الزام صحیح ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے خلاف تھے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ عورتوں کی انگریزی تعلیم اور بے پردگی کے خلاف تھے، اصلاً تعلیم کے خلاف نہ تھے۔ لیکن یہ تو ان کے زمانے کے زیادہ تر ہندوستانی مسلمانوں کا موقف تھا، اکبر اکیلے اس کے مجرم نہیں: ایں گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند۔ اقبال کا مشہور قطعہ آپ سب کے ذہن میں ہوگا:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ

روشِ مغربی ہے مدِّ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

لہٰذا اگرچہ تعلیم وآزادیِ نسواں کے بارے میں اکبر کے خیالات سے میں اتفاق نہیں کرتا، لیکن یہ خیالات اس زمانے میں بہت متد اول تھے۔ اکبر کی بڑائی ان باتوں میں ہے جو صرف اور صرف انھوں نے سب سے پہلے دیکھیں اور محسوس کیں۔ اکبر نے بقول محمد حسن عسکری مشرق اور مغرب کا تصادم صرف ہندوستان نہیں بلکہ پورے ایشیا (اور آج کی زبان میں کہیں تو تیسری دنیا) کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ مغربی تہذیب کے لیے اکبر نے بعض الفاظ وضع کیے، مثلاً برگڈ (Brigade)، کمپ (Camp)، توپ، انجن، وغیرہ جو علامت کا حکم رکھتے ہیں اور جن کی کارفرمائی ہم آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ برگڈ سے ان کی مراد وہ ہندوستانی تھے جو انگریزوں کے وفادار تھے اور کمپ سے ان کی مراد مغربی معاشرت تھی۔ توپ، استعماری قوت کے اظہار، اور انجن اس قوت کو پھیلانے والے ذرائع کا استعارہ ہیں۔ عسکری صاحب نے بہت درست کہا ہے کہ اکبر اس زمانے میں واحد شخص تھے جنھوں نے انگریزوں کی لائی ہوئی چیزوں میں استعارے اور علامتیں دیکھیں اور اکبر کے سوا کوئی ایسا نہ ہوا جو ''نشان'' کو ''علامت'' کا درجہ دینے میں کامیاب ہوا ہو۔ مغرب یا انگریز کی مخالفت اکبر کے یہاں ایک مکمل نظامِ فکر کے تحت ہے۔ یہ کوئی فیشن ایبل، چلتی ہوئی بات پر مبنی رویہ نہیں ہے۔ مغربی تعلیم کے بارے میں ان کی پہلی شکایت یہ تھی کہ یہ انسان کو ''صاحبِ دل'' نہیں بناتی، صرف نوکری کے کام کا رکھتی ہے۔ اکبر کو لارڈ میکالے (Lord Macaulay) کے اس نوٹ کی خبر نہ رہی ہوگی جو اس نے ۱۸۳۵ء میں تحریر کیا تھا کہ ہم ہندوستانیوں کو انگریزی پڑھا کر ایسی نسل پیدا کریں گے جو رنگ میں کالی لیکن دل سے انگریز ہوگی، تاکہ ہم اس سے اپنی ضرورت کے مطابق کام لے سکیں اور ہمارا نقصان بھی نہ ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں

کہ اکبر کو مغربی تعلیم کی انگریزی پالیسی کے مضمرات کا پورا احساس تھا۔ نئی تعلیم کے بارے میں اکبر کے خیالات دیکھیے:

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیّت سے
جناب ڈراون کو حضرتِ آدم سے کیا مطلب

یہاں اقبال کا شعر یاد آتا ہے:

آدمیّت احترامِ آدمی
با خبر شو از مقامِ آدمی

جدید تعلیمی نصاب انسانوں کو صاحب تو بنا دیتا ہے، آدمی نہیں بناتا ہے، اس کام کے لیے روحانی اور ذہنی تصرف کے ساتھ انسان دوست (Humane) تعلیم درکار ہے:

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

کتابوں سے آدمی نہیں بنتا، کیونکہ نوآبادیاتی تعلیم میں انسانیت کی روح اور امتیازِ حق و باطل کی صفت نہیں ہے۔ وہ ایک طرح سے بے ذہن کی مشین MindlessMachine ہے جو ہم پر مسلط کر دی گئی ہے:

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

یہاں انجن استعارہ ہے نوآبادیاتی سامراجی طاقت کی بے امتیاز قوت کا اور دین استعارہ ہے مشرقی روحانیت کا۔ ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو بھینس اور بین میں ہے۔ آدمیّت کے موضوع پر اکبر کے مندرجہ ذیل دو شعر بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ وکٹوریائی تعلیم اور فلسفہ یہ سبق پڑھاتے تھے کہ مغربی تہذیب اور زندگی اور علم،

سب ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ فطرت (Nature) چونکہ اسی کو جینے کا حق دیتی ہے جو سب سے قوی ہو، لہٰذا مغربی تہذیب کی ترقی ثابت کرتی ہے کہ مغرب سب سے زیادہ مرتقیٰ ہے۔ اس پر اکبر کہتے ہیں:

یا الٰہی یہ کیسے بندر ہیں
ارتقا پر بھی آدمی نہ ہوئے

اکبر کا شعر ہے:

کتابِ دل فقط کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو
میں اِسپنسر سے مستغنی ہوں، مجھ سے مِل نہیں ملتا

اس بات سے قطعِ نظر نہ کیجیے کہ یہ دو نام یوں ہی نہیں لائے گئے ہیں۔ اسپنسر (Herbert Spencer) مادیت کے فلسفے کا حامی تھا اور مل (John Stuart Mill) کی سب سے اہم کتاب On Liberty تھی۔ مادیت کے بھروسے پر سائنس اور تجارت نے ترقی کی اور آزادی کے تصور کے بہانے سے اقوام کو غلام بنایا گیا کہ وہ ابھی اس آزادی کے لائق نہیں ہوئے ہیں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اور ہم جسے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح کے نظریوں نے White Man's Burden جیسے فقروں کو جنم دیا۔ اہلِ یورپ اور اہلِ ایشیا دونوں سے مخاطب ہو کر اکبر کہتے ہیں:

عیسیٰ نے دلِ روشن کو لیا اور تم نے فقط انجن کو لیا
کہتے ہو کہ وہ تھے باپ سے خوش اور تم ہو خالی بھاپ سے خوش

لفظ ''خالی'' اور ''بھاپ'' پر غور کیا جائے۔ بھاپ دراصل گرم ہوا ہے اور انگریزی میں فضول باتوں کو Hot air کہتے ہیں۔ بھاپ کے معنیٰ Vapor بھی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ جدید ایٹمی بم جہاں گرے گا وہاں کی ہر چیز دور دور تک vaporize ہو جائے گی یعنی بھاپ بن جائے گی۔ ایٹم بم کے پہلے بھی ایسے بم ایجاد ہو گئے تھے جو کسی بڑے رقبے کو نہیں تو چھوٹے ہی رقبے کو خاکِ سیاہ کر کے بھاپ میں تبدیل کر دیتے تھے۔ خالی بھاپ کی معنویت اب واضح ہے کہ یہ دراصل بے حقیقت اور معنویت سے خالی ہے۔ ''کتابِ دل''، ''دلِ روشن'' کے

بعد اب ''روح کی رہِ مستقیم'' کے بارے میں اکبر کو سنیے:

برق وبخارات کا زور اے حکیم
کب ہے پئے روحِ رہِ مستقیم
تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظر
ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

''روح کی رہِ مستقیم'' کے بعد اکبر صرف روح اور اس کے ساتھ عقل کی بات کرتے ہیں کہ جدید تعلیم نے ان دونوں یعنی روح اور عقل کو مغربی اصولوں کا غلام بنا دیا ہے:

عقل سپردِ ماسٹر مال سپردِ آنجناب
جان سپردِ ڈاکٹر روح سپردِ ڈارون

جیسا کہ ٹائٹس برک ہارٹ (Titus Burckhardt) نے کہا ہے، پہلے زمانے کی تعلیم وہ تھی جو انسان کو پہلے ''حکمت'' (Wisdom) سکھاتی تھی اور پھر اسے درجۂ کمال (Perfection) تک پہنچاتی تھی۔ اکبر کہتے ہیں کہ جدید تعلیم ہمیں صرف بازار کا مال (Merchandise) بنا دیتی ہے اور ہمیں سرکار کی گوں کا آدمی بناتی ہے۔ میکالے کا قول ذہن میں رکھیے اور یہ شعر سنیے:

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

یہ علم بازاری اور یہ عقل سرکاری کیوں نہ ہوں، جب اصل حال یہ ہو کہ:

اس کا پسیجنا ہے اور اس کے ہیں بھپارے
یورپ نے ایشیا کو انجن پہ رکھ لیا ہے

محاورہ ہے ''تلوار پر رکھ لینا''۔ اکبر سارے مشرق کو مغربی انجن پر سوار دیکھتے ہیں، گویا یورپ نے مشرق کو اپنی صنعت و حرفت کی تلوار پر رکھ لیا ہے یا مال کی طرح لاد لیا ہے۔ سچ ہے:

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنھیں اے اکبر
ان کو کیا غم ہے گناہوں کی گراں باری کا

یعنی اصل چیز تو مال اور مال برداری ہے لیکن بات تعلیم کی ہو رہی تھی۔ یہ تعلیم ہندوستانی یا ایشیائی ذہن کو کیا دیتی ہے، اکبر سے سنیے:

پیری سے کمر خم ہے پہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجہ
وسعت ہے درِ علم میں، ہے راہِ عمل بند
ہے صاف سڑک، پاؤں پہ لیکن ہے شکنجہ

یعنی یہ تعلیم ذہن کو تیز تو کر سکتی ہے، لیکن عقل نہیں دیتی کہ اس علم کو استعمال کرنے کی توفیق ہو اور نو آبادیاتی حاکم تعلیم کے ساتھ ساتھ پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال دیتا ہے کہ قوتِ عمل ساقط ہو جائے۔ اس موضوع پر اکبر نے بعض حیرت انگیز طور پر جدید باتیں کہی ہیں۔ اوپر کے دو شعروں پر ذرا ٹھہریے اور پھر اکبر کا ایک شعر اور ایک رباعی سنیے:

دیا سلائی کی تیزی تو آ گئی ہم میں
کسر یہی ہے کہ ڈبیا انھی کی جیب میں ہے

لفظ ''تیزی'' کو دھیان میں رکھیے، اب رباعی ملاحظہ ہو:

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں
اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطاں عربی سے ہند میں ہے بے خوف
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

لاحول کا ترجمہ انگریزی میں کرنے کی تلقین میں دونوں طرف طنز ہے۔ ہندوستانی پر طنز، کہ وہ قدیم علوم کی خوبیوں کو انگریز کے سامنے بیان کرنا جانتا نہیں، اپنی قوتوں کو بھول چکا ہے اور انگریز پر طنز کہ وہ اپنے علاوہ کسی کی

بات سمجھنے سے قاصر ہے۔ اکبر اس نکتے سے واقف تھے جسے آج کی زبان میں StockholmSyndrome کہا جاتا ہے یعنی محبوسی اور مجبوری کی وہ صورتِ حال جس میں قیدی کو اپنے قید کرنے والے سے ایک لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اغوا، یا قید کیا ہوا شخص خود اپنے اغوا کار، یا قید کرنے والے کو اور خود کو ایک ہی سمجھنے لگتا ہے، یعنی اس کے ساتھ اپنے کو Identify کرنے لگتا ہے۔ یہ صورتِ حال آج اس طرح بھی موجود ہے کہ مغربی اقوام تیسری دنیا کا استحصال کر رہی ہیں اور تیسری دنیا کے لوگ انھی پر مرے جا رہے ہیں۔ اکبر کہتے ہیں:

مٹاتے ہیں جو وہ ہم کو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو ان پر ہے جو اس مٹنے پہ مٹتے ہیں

اور یہ دل ہلا دینے والا شعر بھی ملاحظہ ہو:

کس رہے ہیں اپنی مِنقاروں سے حلقہ جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

یہاں پھر اقبال کا شعر یاد آتا ہے جو ''خضرِ راہ'' میں ہے:

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

یہ دو شعر بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں:

قتل سے پہلے ہے کلورو فارم
شکر ہے ان کی مہربانی کا

ہزاروں ہی طریقوں سے ہم انگریزوں کو گھیرے ہیں
طواف ان کے گھروں کا ہے انھی سڑکوں کے پھیرے ہیں

اور اب قیدی کی مناجات سنیے:

اے خدا مجھ کو کر دے صاحب لوگ
دور ہو مجھ سے اس جنم کا روگ
میرا قالب ہو قالبِ غربی
بھول جاؤں زبان بھی اپنی
رنگ چہرے کا میرے جائے بدل
کروں ایجاد میں بھی توپ و رَفَل
سو کے اٹھوں جو آج صبح کو میں
لوگ سمجھیں کہ لاٹ صاحب ہیں

محکوم کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ وہ خود کو حاکم سے ہم آہنگ کرلے، لیکن اکبر اس سے آگے جاکر مناجاتی کی زبان سے یہ بھی کہلاتے ہیں کہ میں بھی اپنے حاکم کی طرح تباہ کاری کے اسلحے اور وسائل ایجاد کرسکوں اور فوج کے ذریعے دوسری اقوام کو اپنا غلام بناسکوں۔ یعنی نوآبادیاتی حاکم اپنے محکوم کے جسم اور روح دونوں کو اپنے تخریبی رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ حاکم اور محکوم کے اس اتحاد کی ایک صورت نوکر شاہی ہے کہ نوکر شاہی میں محکوم نوکر اپنے مالک کی طاقت کو مستحکم کرنے کا کام کرتا ہے اور اپنے سے کمتر لوگوں پر زورِ ظلم سے کام لیتا ہے۔ ہندوستانی نوکر شاہی، خاص کر آئی سی ایس کو برطانوی حکومت کا "فولادی ڈھانچا" (SteelStructure) یوں ہی تو نہیں کہا جاتا تھا۔ اس فولادی ڈھانچے کی پہلی خصوصیت تھی کہ تعمیلِ حکم میں کوئی کمی نہ کرنا، چاہے اس میں اپنی قوم کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اکبر کہتے ہیں:

باتیں ہرگز خلافِ عزت نہ کرو
دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو

بدنام کرو نہ وضعِ انگریز کو
پتلون پہن کے ترکِ طاعت نہ کرو

نوکر شاہی بے روح بھی ہوتی ہے اور جتنا چھوٹا نوکر ہو اتنی ہی زیادہ اس میں صلاحیت ہوتی ہے کہ صاحبانِ غرض کو تنگ کرے اور ان کا کام نہ ہونے دے۔ ان نکات کو اکبر نے خوب واضح کیا ہے:

باقی نہیں وہ رنگ گلستانِ ہند میں
محنت کا اب ہے کام قُلستانِ ہند میں

کیوں گفتگو کسی کو ہو اس ٹھیک بات میں
شیخی زبان میں ہے حکومت ہے ہاتھ میں

"قُلستان ہند" کی ترکیب میں جو درد اور غصہ پنہاں ہے وہ ہم پر آج بھی آشکار ہونا چاہیے، ورنہ یہ شعر سن لیجیے:

جب غور کیا تو مجھ پہ یہ بات کھلی
دقت میں تو وہ ہیں جو نہ صاحب نہ قُلی

اکبر غالباً پہلے ہندوستانی ہیں جن کو اس بات کا احساس تھا کہ سامراجی نوآبادیاتی نظام کی توسیع میں جنگ اور تشدد کے ساتھ تعلیم بھی مرکزی حیثیت رکھتی ہے:

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے
جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

بسولا یعنی لکڑی یا پتھر کو کاٹنے کی کلہاڑی، اور رندا یعنی لکڑی کو چھیل چھال کر اس کی ناہمواریاں نکال دینے کا اوزار۔ لہٰذا پہلے تو اہلِ ہند کی حکومتوں کو تاراج کرو، پھر وہاں انگریزی پڑھانے والے استاد بھیجو تاکہ ہندیوں کا ہندوستانی پن نکل جائے۔ اقبال کا شعر یاد کیجیے:

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

ریل یعنی مغربی طاقت سے حکومت تو پھیلتی ہے لیکن قلبِ سلیم نہیں کھنچتا۔ یہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ نوکر شاہی کس طرح انسان کا کردار مسخ کرتی ہے، اس کی کچھ جھلک ان شعروں میں دیکھیے:

بہرِ خدا جناب یہ دیں ہم کو اطلاع
صاحب کا کیا جواب تھا بابو نے کیا کہا

تیغ زباں کی دیکھو ہر سو برہنگی ہے
بابو کے حوصلے ہیں صاحب کی دل لگی ہے

ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو چھکڑا وہی
مغربی فقروں نے لیکن مجھ کو انجن کر دیا

اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
سچ یہ ہے افزونیِ تنخواہ جو چاہے کرے

میری نصیحتوں کو سن کر وہ شوخ بولا
نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

انگریزوں نے جب ۱۸۰۳ء میں مراٹھوں کو بے دخل کر کے شاہ عالم ثانی کو اپنی ’’حفاظت‘‘ میں لے لیا تو نوآبادیاتی فکر رکھنے والے مؤرخین نے بعد کے زمانے کو English peace سے تعبیر کیا کہ چور اچکے راستوں

سے غائب ہو گئے، جاٹوں اور میواتیوں کی لوٹ مار بند ہو گئی، وغیرہ۔ ممکن ہے اس English peace میں انگریزی عمل داری کی برکت شامل ہو، ممکن ہے نہ ہو، لیکن ہندوستانی خصوصاً اہلِ دہلی کی ذلت اس میں بہت تھی۔ پھر بھی کچھ لوگ آج بھی انگریزی راج کو یاد کرتے ہیں کہ اس زمانے میں اس قدر نقضِ امن نہ تھا۔ اکبر نے کس خوبی سے اس English peace کی قلعی کھولی ہے:

ممنون تو میں ہوں ترا اے سایۂ شجر
سر پر مگر عذاب ہے چڑیوں کی بیٹ سے

چڑیوں کی بیٹ سے مراد وہ ذلت ہے جو نوآبادیاتی حاکم کے ہاتھوں محکوم قوم کو ہر لمحہ پہنچتی رہتی ہے۔ آج کل ہر طرف عالم کاری (Globalization) اور سرمائے کے پھیلاؤ کو مغربی قوتوں کی نئی استعماری حکمتِ عملی، اور صارفیت کی مقبولیت کو بھی سرمایہ دار طاقتوں کا ایک حربہ کہنے کا رواج ہے اور یہ باتیں صحیح بھی ہیں۔ لیکن اکبر کے وقت میں نہ صارفیت تھی نہ عالم کاری اور نہ وہ کارل مارکس کے اس قول سے واقف تھے کہ سرمایہ داری کا انتہائی مقصود یہ ہے کہ تمام دنیا ایک بازار میں تبدیل ہو جائے۔ اس کے باوجود اکبر کی چشم جہاں بیں نے یہ باتیں دیکھ لی تھیں:

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اس سے تجارت بڑھی ہوئی

ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیئرس کا ہے سوپ ہر جگہ

مجھے بھی دیجیے اخبار کا ورق کوئی
مگر وہ جس میں دواؤں کا اشتہار نہ ہو

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے

صارفیت اور عالم کاری کے ساتھ جو بات جدید انسان کو بہت پریشان کر رہی ہے وہ ماحول کی آلودگی ہے۔ اکبر کے زمانے میں ایسا کوئی تصور نہ تھا۔ ہر چند کہ ۱۸۵۱ء میں جب پہلی بار ریلوے انجن کا منظر انگلستان کے لوگوں نے دیکھا تو کسی نے اس کو "جہنم کا شرارہ" کہا، کسی نے اس کے شور اور گرج کی برائی کی، کسی نے اس کے دھوئیں کا برا مانا لیکن چند ہی برسوں میں صنعتی انقلاب کے دباؤ نے احتجاجی آوازوں کو خاموش کر دیا۔ اکبر کو بلکہ اس زمانے میں شاید کسی کو بھی ریل گاڑی کی تاریخ کے بارے میں کچھ معلوم نہ رہا ہوگا لیکن اکبر نے یہاں بھی دونوں باتیں دیکھ لیں۔ انجن یا ریل گاڑی محض سامراجی طاقت کی توسیع کا وسیلہ ہی نہیں بلکہ زمین کے ماحول کو بگاڑنے کا بھی ہتھیار ہے:

مشینوں نے کیا نیکوں کو رخصت
کبوتر اڑ گئے انجن کی پیں سے

تنہائی وطاعت کا یہ دور ہے اب دشمن
پیڑوں پہ نہ وہ طائر، صحرا پہ نہ وہ جوبن

جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کے ہیں پائیں
املی کی جگہ سگنل، قمری کی جگہ انجن

پھر اس شاہ کار شعر (یا پیروڈی) سے آپ سب واقف ہی ہوں گے:

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

شہروں کی نئی تنظیم سے ہم واقف ہیں۔ شہر کے کچھ علاقوں میں بڑے لوگ یا دولت مند طبقہ رہتا ہے۔ کچھ علاقوں میں ہم آپ جیسے غریب غربا رہتے ہیں۔ جھگی جھونپڑی والوں کی بستیاں بھی ہیں جنھیں عام طور پر دور سے دور تر رکھنے کی کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مغل شہر میں ایسی کوئی تفریق اور تنظیم نہ تھی اور اسی لیے طبقوں کے فرق کا وہ احساس بھی نہ تھا جو آج کی زندگی کی تکلیف دہ حقیقت ہے۔ حسبِ معمول اکبر نے سب سے پہلے شہروں کی اس تقسیم و تفریق کا احساس کیا، جو عہدِ انگریزی کی دین ہے:

شیخ ہوں شہر میں اور کمپ میں سید ہوں یہ کیا
جس میں مل جل کے رہیں سب وہی بستی اچھی

کمپ میں پاتا ہوں یاروں کو جو دن کو بیشتر
یہ اثر ہے اصطبل کا ورنہ خر کوئی نہیں

کمپ/کیمپ سے مراد شہر کے وہ اعلیٰ علاقے ہیں جہاں طرزِ معاشرت انگریزی ہے اور شہر سے مراد ہے جسے ہم اب ”پرانا شہر“ کہتے ہیں۔ اصطبل سے مراد ہندوستانی کردار کی پستی ہے جو انگریز کے راج نے پیدا کی تھی۔ قمرالدین احمد بدایونی ”بزمِ اکبر“ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن ان سے اکبر نے کہا: ”شہروں میں ترمیم دیکھو کہ حکمراں طبقہ اور امرا سول لائن میں ہیں، غربا کے لیے زیست کے دن گزارنے کے واسطے شہر کے گندے گوشے علیٰحدہ ہیں۔ مراد اس سے یہی ہے کہ امیر و غریب یک جا نہ ہوں گے، نہ ایک دوسرے کے دکھ درد سے ہمدردی ہوگی“۔

ایسے شخص کے بارے میں یہ سمجھنا زیادتی اور ناانصافی کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ترقی کا مخالف تھا، رجعت پرست تھا اور دیدۂ حق آگاہ سے محروم تھا اور اسے بدلتے ہوئے زمانے کی خبر تھی تو بس اتنی کہ وہ اس کے خلاف تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اکبر تعلیم کی ترقی اور سائنس اور صنعت کے مخالف نہیں تھے۔ وہ اس بات کے مخالف تھے یہ چیزیں نوآبادیاتی نظام کے استحکام کے لیے استعمال ہو رہی ہیں، یا نوآبادیاتی نظام کی علامتیں ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، اکبر نے ”توپ“ کو جگہ جگہ استعاراتی، بلکہ تقریباً علامتی معنیٰ میں استعمال کیا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ

''توپ'' اگر لفظ ہے تو استعارہ ہے، اور اگر شے ہے تو علامت ہے۔ چند شعر اور ایک قطعہ سنا کر رخصت ہوتا ہوں۔ قطعے میں ''توپ'' استعارہ بھی ہے، علامت بھی ہے اور ظریفانہ فقرے کی خاطر آگ بھی اگلتی ہے:

بس کدورت سے دل اس تیرہ دروں کا ہے بھرا
یہ تو بربادیِ اربابِ دغا چاہتی ہے
لگی لپٹی نہ لگا رکھتی تھی تلوار کی جنگ
توپ کیا چاہتی ہے صرف دغا چاہتی ہے

اوپر میں نے ایک شعر ''گاندھی نامہ'' سے نقل کیا تھا۔ اب خیال آتا ہے کہ کچھ اور شعر اسی جگہ سے پیش کر دیے جائیں۔ ان شعروں سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ اکبر کی نگاہ میں قدامت پرستی کی تنگی نہ تھی، بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ مغربی نوآبادیاتی نظام کو اگر روکا نہ جائے تو یہ عالم کاری میں تبدیل ہو جائے گا:

سواری ہے انھیں کی راہ ان کی اور ڈاک ان کی
انھیں کی فوج ہے ان کی پُلس ہے اور تاک ان کی
ہوا میں ایرشپ ان کے سمندر میں جہاز ان کے
عمل ہم میں کیا کرتے ہیں نامعلوم راز ان کے
علوم ان کے زباں ان کی پریس ان کے لغات ان کے
ہماری زندگی کے سارے اجزا پر ہیں ہاتھ ان کے

ذرا غور کیجیے، یہ عالم کاری (Globalization) کی تصویر نہیں تو کیا طلسمِ ہوش ربا کی ہے؟

* * * * *

ماخذ: www.rekhta.org

محمد عثمان خان
معاونِ شعبۂ تعلیم، فقہ اکیڈمی

اسلام میں استاذ کا مقام و مرتبہ

قسط نمبر ا

اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق کو احسنِ تقویم ارشاد فرمایا ہے، خالق کا یہ عظیم شاہ کار دنیاے رنگ و بو میں خالقِ کائنات کی نیابت کا حق دار بھی ٹھہرا۔ اشرف المخلوقات، مسجودِ ملائکہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض سے متّصف حضرتِ انسان نے یہ ساری عظمتیں اور رفعتیں صرف اور صرف علم کی وجہ سے حاصل کی ہیں ورنہ عبادت وریاضت، اطاعت وفرمان برداری میں فرشتے کمال رکھتے تھے۔ ان کی شانِ امتثال کو اللہ کریم نے قرآنِ پاک میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ علم، عقل و شعور، فہم و ادراک، معرفت اور جستجو وہ بنیادی اوصاف تھے جن کی وجہ سے انسان باقی مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ قرار دیا گیا۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ حصولِ علم میں مرکزی حیثیت استاذ اور معلّم ہی کی ہے۔ معلّم ہی وہ اہم شخصیت ہے جو تعلیم و تربیت کا محور اور منبع و مرکز ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ قوموں اور مہذب معاشروں میں استاذ کو ایک خاص مقام و مرتبہ اور نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ مہذب اور باشعور معاشرے کا قیام استاذ ہی کے مرہونِ منت ہے۔ اسلام نے دنیا کو علم کی روشنی عطا کی، استاذ کو عظمت اور طالبِ علم کو اعلیٰ و ارفع مقام عطا کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے“۔ (ابنِ ماجہ) اسلام نے استاذ کو روحانی والد قرار دے کر ایک قابلِ قدر ہستی، محترم و معظّم شخصیت، مربی و مزکّی کی حیثیت عطا کی۔ معلّم کے کردار کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس عالمِ رنگ و بو میں معلّمِ اوّل خود ربِّ کائنات ہیں۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ”اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے اسما کا علم عطا کیا“۔ (سورۃ البقرۃ:۳۱) اسی طرح انسان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی انتظام فرمایا: ”رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا اس کو

گویائی سکھائی"۔(سورۃ الرحمٰن:۱تا۲)اور ذریعۂ تعلیم قلم کو بنایا:"پڑھ!اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا، اور آدمی کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔(سورۃ العلق:۱تا۶)اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی اور تعلیم کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاے کرام علیہم السلام کو معلّم و مربّی بنا کر بھیجا، ہر نبی شریعت کا معلّم ہونے کے ساتھ ساتھ کسی ایک فن کا ماہر اور معلّم بھی ہوتا تھا۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں زراعت اور کپڑا سازی کے معلّمِ اوّل تھے۔ کلام کو ضبط تحریر میں لانے کا علم سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے ایجاد کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی سازی کے فن کو کمال بخشا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے علمِ مناظرہ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے علمِ تعبیر الرؤیا میں کمال حاصل کیا۔ (مرآۃ المناجیح، ج: ۴، ص:۲۲۸) خاتم الانبیاء ﷺ نے معلّم کو انسانوں میں بہترین شخصیت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:"تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔(بخاری) معلّم کے لیے نبیِ کریم ﷺ کی بشارت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:"غور سے سنو، دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ البتہ اللہ کا ذکر اور وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ سے قریب کریں، یعنی نیک اعمال، عالم اور طالبِ علم (یہ سب چیزیں اللہ کی رحمت سے دور نہیں ہیں)"۔(بخاری) معلّم کو اللہ اور اس کی مخلوقات کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے۔ مخبرِ صادق ﷺ نے استاذ کی محبوبیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:"لوگوں کو بھلائی سکھانے والے پر اللہ، ان کے فرشتے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں رحمت بھیجتی اور دعائیں کرتی ہیں"۔(ترمذی) اساتذہ کے لیے نبیِ کریم ﷺ نے دعا فرمائی کہ: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور اسے یاد رکھا اور اس کو جیسا سنا اسی طرح لوگوں تک پہنچایا"۔(ابوداؤد) لہٰذا ان فضائل کی بنا پر استاذ ہونا ایک بہت بڑی نعمت اور عظیم سعادت ہے۔

اسلامی تاریخ میں اساتذہ کی اہمیت

خیر القرون میں معلّمین کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ معلّمین کو درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انتظامی امور اور عہدوں پر فائز کرتے تھے۔ خلیفۂ رابع حضرت علی المرتضیٰ کا

قول ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھادیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد کردے یا بیچ دے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم استاذ سے اتنا ڈرتے اور ان کا اتنا ادب کرتے تھے جیسا کہ لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ بہت بڑے محدث تھے، امام بخاری رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاذ کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (تعلیم المتعلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اساتذہ کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار کرتے تھے۔ علمِ حدیث کے لیے ان کے گھروں کی دہلیز پر بیٹھ جاتے اور استاذ کے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے، ہوا سے چہرے پر گرد اور مٹی پڑتی رہتی تھی۔ جب ان کے اساتذہ اپنے کام سے باہر نکلتے تو آپ کو منتظر پاتے اور آپ استاذ کے سامنے یوں گویا ہوتے کہ میں علم کا طالب ہوں، میرا دل نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آئیں۔ (سننِ دارمی) یہی ادب تھا جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امام المفسرین، حبر الامت اور بحر العلم کا لقب عطا ہوا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے معلّمِ کائنات کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، تربیت اور تزکیہ کی چکی میں پسے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں ان کے ادب کا یہ عالم ہوتا تھا کہ صحابۂ کرام آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف سیدھا نہیں دیکھتے تھے، بیٹھنے کا انداز ایسا مؤدبانہ ہوتا تھا کہ پرندے آکر صحابۂ کرام کے سروں پر بیٹھ جاتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے استاذ کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کبھی استاذ کے گھر کی طرف پاؤں کرکے نہیں سوئے۔ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے مصنف، شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ائمۂ بخارا میں سے ایک امام دورانِ درس بار بار کھڑے ہو جاتے، شاگردوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میرے استاذ کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے جب مسجد کے دروازے کے سامنے آتا ہے میں اپنے استاذ کی وجہ سے ادب میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ قاضی امام فخر الدین ارسابندی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علما میں بڑا مقام عطا فرمایا تھا، بادشاہ ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ: میں نے تیس سال قاضی امام ابو یزید دبوسی رحمہ اللہ کی خدمت کی ہے اور ان کے لیے کھانا پکایا ہے، اور اس کھانے میں سے کبھی نہیں کھایا تھا۔ علماے ہند میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ

اللہ علم و فضل، تقویٰ و طہارت، جہد و عمل، تواضع و انکساری میں منفرد مقام کے حامل تھے۔ آپ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے گھر کا پانی اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔ شمس الائمہ علامہ حلوانی رحمہ اللہ نے بخارا کو خیر باد کہا اور کسی دوسری جگہ تشریف لے گئے۔ آپ کے تمام تلامذہ آپ کی زیارت کے لیے آئے سوائے قاضی شمس الائمہ الزرنوجی رحمہ اللہ کے، جب استاذ کی شاگرد سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ میری ملاقات کو کیوں نہیں آئے تھے؟ عرض کیا کہ والدہ کی خدمت میں مشغولیت مانع تھی۔ امام نے فرمایا کہ آپ عمر لمبی پائیں گے مگر درس نصیب نہیں ہو گا۔ استاذ کے منھ سے نکلی ہوئی اس بات کو وقت نے سچ ثابت کیا، علامہ زرنوجی رحمہ اللہ زندگی کا اکثر حصہ دیہاتوں میں رہے آپ کو تدریس کا موقع نہ میسر آ سکا۔ خلیفہ ہارون رشید نے امام اصمعی رحمہ اللہ کے پاس اپنا بیٹا تحصیلِ علم کے لیے بھیجا۔ ایک دن خلیفہ نے دیکھا کہ امام اصمعی رحمہ اللہ وضو کر رہے ہیں اور اس کا بیٹا استاذ کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ خلیفہ نے امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنا بیٹا اس لیے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ اس کو علم و ادب سکھائیں، آپ اسے یوں کیوں نہیں کہتے کہ یہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں پر پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے اس پاؤں کو دھوئے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معلّم کو سب سے بہترین انسان قرار دیا گیا ہے۔ استاذ کے ادب کو تحصیلِ علم کے لیے بنیاد اور اساس کہا گیا ہے۔ عربی مقولہ ہے: الأدب شجر والعلم ثمر، ثم فكيف يجدون الثمر بدون الشجر، ادب درخت ہے اور علم پھل ہے، پھل بغیر درخت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر تدریس کو بحیثیتِ مشغلہ دیکھا جائے تو یہ مشغلہ تمام پیشوں سے اعلیٰ، اشرف و افضل ہے۔ عربی ضرب المثل ہے: خير الإشغال تهذيب الأطفال، بہترین مصروفیت و مشغلہ بچوں کی تربیت کرنا ہے۔ معلّمِ انسانیت پر محنت کر کے کارِ نبوّت سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ استاذ افراد کی تربیت کر کے ایک مہذب معاشرہ تشکیل دیتا ہے، گویا بادشاہ لوگوں پر حکومت کرتے ہیں جبکہ بادشاہوں پر معلّمین کی حکومت ہوتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک منصبِ تدریس کی اہمیت کو مزید واضح کر دیتا ہے کہ جس شخص نے لوگوں کو خیر کی طرف بلایا، لوگوں کے اجر کے برابر اس کو بھی اجر ملے گا اور لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (مسلم) معلّم کا فرض سب سے اہم اور اس کی ذمے داری سب سے مشکل ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد

اقبال نے معلّم کی حیثیت، عظمت اور اہمیت کو بہت احسن انداز میں بیان فرمایا ہے کہ استاذ دراصل قوم کا محافظ ہوتا ہے، کیونکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو سنوارنا اور ان کو ملک و ملت کی خدمت کے قابل بنانا ان ہی کے سپرد ہے۔ سب محنتوں میں اعلیٰ درجے کی محنت اور کارگزاریوں میں سب سے بیش قیمت کارگزاری معلّموں کی ہے، کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی، تمدنی اور مذہبی تعلیمات کی کلید اس کے ہاتھ میں ہے، اور ہر قسم کی ترقی کا سرچشمہ اس کی محنت ہے۔ معلّم کی یہ عظمت، مقام و مرتبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ حمیدہ کا جامع، صبر واخلاص کا پیکر ہو۔ استاذ کا مطمحِ نظر رضائے خداوندی، انسانیت کی تربیت اور نونہالانِ قوم کو علم و معرفت سے روشناس کرانے کا جذبہ ہونا چاہیے۔ معلّم کے قول وعمل میں یکسانیت، صداقت، شجاعت، قوت برداشت، معاملہ فہمی، تحمل مزاجی اور استقامت جیسے اوصاف نمایاں ہونے چاہییں، کیونکہ شاگرد استاذ کا عکس ہوا کرتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اساتذہ نیک تو طلبہ بھی نیک، یعنی اساتذہ خود اپنے بڑوں کے قدردان ہوں تو طلبہ بھی اپنے اساتذہ کے قدردان ہوں گے۔ چنانچہ اساتذۂ کرام شریعت اور سنت کے پابند، اپنے منصب کے قدر دان، طلبہ پر مشفق اور جذبۂ خیر سگالی سے سرشار ہوں تو ان کے ہاتھوں تربیت پانے والی نسلیں بھی صفاتِ حمیدہ کی حامل ہوں گی۔ معلّم کا جذبہ یہ ہونا چاہیے کہ میرے ذریعے امت کے ایسے نونہال تیار ہو جائیں جو امتِ محمدیہ کی نشأۃ ثانیہ کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اور وہ ایسے تناور درخت کی مانند ہوں جو سب کو چھاؤں اور پھل دیں، جو تحقیق و جستجو کے میدان کے شہسوار ہوں۔ ایک معلّم کی یہ آرزو ہونی چاہیے کہ میری ساری زندگی کی محنت اور جگر سوزی اس لیے ہے کہ قیامت کے دن میرا حشر معلّمین کے ساتھ ہو۔ اسلامی معاشرے میں اساتذہ کی درج ذیل تین اقسام ہو سکتی ہیں:

معلّمینِ مکاتب: یہ اساتذہ بچوں کی ابتدائی تعلیم پر مامور ہوتے تھے۔ یہ حضرات طلبہ کو ابتدائی دینیات و ناظرہ، قرآن سے لے کر عربی، فارسی املا تک سکھایا کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ بچوں کو ایک یا دو زبانوں میں لکھنا اور پڑھانا ان کی ذمے داری ہوا کرتی تھی۔ بعض جاہل قسم کے افراد نے اس پیشے کو پیسہ کمانے کا آسان ذریعہ بنایا۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے اس پیشے کی کافی بدنامی ہوئی۔ اس میں شک نہیں ان کہانیوں میں سے اکثر مبالغہ آمیز یا بالکل بے بنیاد ہیں، لیکن بہرحال پھر بھی کچھ بات ضرور ہے جس پر راویوں نے مضحکہ انگیز قصّے گھڑ لیے ہیں۔

مکاتب کے مدرسین کو محض اس بنا پر ملازمت مل جاتی تھی کہ وہ حافظِ قرآن ہوتے تھے، نہ ان میں علمیت تھی اور نہ تعلیمی تربیت انھوں نے حاصل کی تھی۔ ابنِ عبدون (ایک اندلسی شاعر) اس قسم کے لوگوں کو اس لیے قابلِ الزام تصور کرتا ہے کہ صرف قرآن حفظ کر لینے سے کوئی شخص مُدَرِّسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بہر حال، ابتدائی تعلیم کے مدرسین کی جماعت میں کافی تعداد ایسے حضرات کی بھی تھی جو اجل علمائے دین تھے، زبان دان تھے، خوش نویس تھے اور ادبی ذوق رکھتے تھے۔

اتالیق: اتالیق سے مراد ایسے اساتذہ ہیں جو شہزادوں یا امیر زادوں کی تعلیم و تربیت کے لیے رکھے جاتے تھے۔ ان کے بابت ڈاکٹر شبلی فرماتے ہیں: ''اتالیق کا عہدہ نہایت شہرت اور ناموری کا حامل تھا۔ جو شخص کسی گھرانے کا اتالیق مقرر کیا جاتا وہ اس گھرانے کا فرد تصور ہوتا تھا۔ بعض اوقات یہ تعلق اتنا گہرا ہوتا کہ اتالیق اس خاندان کا نام بھی اپنے نام کے آگے لگا لیتا تھا''۔ (تاریخِ تعلیم و تربیتِ اسلامیہ، ترجمہ محمد حسین خان زبیری، ص۱۷۸)

خلیفہ اور دیگر بڑے لوگ اپنے بچوں کے اتالیق کا بے حد خیال کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ان اساتذہ کا مرتبہ بہت بلند کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کے اتالیق الاحمر کو کوٹھی عطا کی اور ہر طرح کی آسائش مہیا کی۔ لوگ اس کو دیکھ کر رشک کرتے تھے۔

معلّمینِ مساجد و مدارس: یہ اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ ہوا کرتے تھے۔ ان کا مقام بھی معاشرے میں بہت بلند تھا۔ بادشاہ انھیں دربار میں اپنے برابر جگہ دیا کرتے تھے اور ان سے مختلف مواقع پر رہنمائی لیا کرتے تھے۔ ان کی مالی حیثیت بہت اچھی ہوا کرتی تھی۔ بادشاہ انھیں وظائف کے علاوہ کثیر ہدایا دیا کرتے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ یہ لوگ معلمی کے علاوہ دیگر پیشوں کو حقیر جانتے تھے۔ کسی بڑے خلیفہ سے ایک بار پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ کو سب سے بڑا رتبہ عطا کیا ہے اس کے بعد بھی آپ کو کسی منصب کی حاجت ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں چاہتا ہوں کہ میں عالم ہوتا اور لوگوں کو درس کے ذریعے نفع پہنچاتا۔ (تاریخِ تعلیم و تربیتِ اسلامیہ، ترجمہ محمد حسین خان زبیری)

جاری ہے

* * * * *

مولانا عبدالمتین
امام وخطیب جامع مسجد جاکی، لیاری کراچی

زندگی کی قدر و قیمت اور وقت کی تنظیم

اللہ رب العزت نے ہمیں جتنی نعمتیں عطافرمائی ہیں ان میں زندگی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ زندگی ایک مقصد حاصل کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ زندگی کو اللہ رب العزت نے بہت ہی مختصر رکھا ہے اور ساتھ میں یہ بھی سمجھادیا ہے کہ یہ مختصر سی زندگی تم اپنی جنت اور آخرت بنانے میں گزارو۔ اس مقصد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس مختصر زندگی میں جتنی زیادہ وقت کی قدر کی جائے گی اتنا ہی زیادہ زندگی کا مقصد حاصل کرنا آسان ہو گا اور وقت کی جتنی ناقدری کی جائے گی، ہم زندگی کے مقصد سے اتنا ہی دور ہوتے جائیں گے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ کوئی چیز اگر اپنے مقصد سے ہٹ کر استعمال کی جاتی ہے تو اس میں خرابیاں بڑھتی جاتی ہیں، مثلاً جوتوں کا مقصد ان کو پہننا ہے تاکہ پیر محفوظ رہیں، اب اگر کوئی جوتوں کو شاپر میں ڈال کر پیادہ گھومے پھرے گا تو اس کے پیر زخمی ہو جائیں گے اور کچھ وقت کے بعد وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے جوتوں کے استعمال کو نہیں سمجھا۔ ٹھیک اسی طرح زندگی کا واحد مقصد اللہ کی مرضی اور جنت کا حصول ہے، اس مقصد سے زندگی گزاری جائے گی تو زندگی آسان ہوگی، پھر ایسے شخص کے لیے عبادت کرنا، نیکی کرنا، صبر کرنا، لوگوں کی خدمت کرنا، حلال کا اہتمام کرنا وغیرہ سب آسان ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی زندگی کے مقصد کو بھول کر عالی شان گھر، منصب، شہرت، دولت وغیرہ کو ہی اپنا مقصد بنالے تو وہ جلد پریشان ہو جائے گا، گھریلو مسائل کا سامنا نہیں کر سکے گا، کچھ وقت کے بعد دولت کی کمی سے گلے شکوے کرے گا اور کچھ وقت کے بعد بیماریوں میں گزار کر اس کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ اگر یہ دنیا انھی کاموں کے لیے ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس دنیا کو اس قدر مسائل کے ساتھ نہ بناتے اور اتنی ہی اچھی ہوتی تو زندگی اتنی مختصر نہ بناتے۔ دنیا اور انسان دونوں کی زندگی ختم ہونے والی ہے، تبھی اللہ پاک نے آخرت کا نظام پیدا کیا، تاکہ تم یہاں اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر اس میں کامیابی حاصل کرو۔

زندگی کیا ہے؟

زندگی کسے کہتے ہیں؟ یہ جو ہماری زندگی کے مختلف دور ہیں، مثلاً بچپن، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر، ضعیفی اور بڑھاپا وغیرہ یہ سب زندگی کہلاتے ہیں۔ اور یہ مختلف دور وقت کی ہی پیداوار ہیں اور وقت جسے ہم گھڑی اور کیلنڈر وغیرہ میں دیکھتے ہیں جس میں سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن، رات، ہفتہ، مہینا، سال ہمیں نظر آتے ہیں، یہ وقت ہی کی پیداوار ہیں اور یہی وقت ہی زندگی ہے۔ عربی مقولہ ہے کہ: الوقت هو الحياة، وقت ہی زندگی ہے۔ لہٰذا جو اچھی اور بامقصد زندگی گزارنا چاہتا ہے وہ زندگی کی قدر کرے۔ اور زندگی کی قدر کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وقت کی قدر کی جائے اور وقت کی قدر کرنے مطلب اپنے ایک ایک سیکنڈ کی قدر کی جائے، جو سیکنڈ کی قدر کرے گا وہ منٹ اور گھنٹوں کی قدر کرے گا اور پھر اسی طرح دن رات، ہفتہ، مہینا، سال بھر کی قدر کرنا آسان ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جو اپنا سیکنڈ ضائع کرتے ہیں وہ در حقیقت اپنی زندگی ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔ حکما فرماتے ہیں کہ گھڑی کا سیکنڈ کا ٹا ٹک ٹک کر کے ہمیں خبردار کر رہا ہوتا ہے کہ میں بظاہر آگے جا رہا ہوں، لیکن تمھاری زندگی کم کرتا جا رہا ہوں۔ وقت ہمیں موت کی طرف دھکیلتا جا رہا ہے، عربی محاورہ ہے کہ: الوقت كالسيف، فإن لم تقطعه لقطعك، "وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم نے اسے اچھا استعمال کر کے نہیں کاٹا تو یہ تمھیں کاٹ لے گا"۔ اور وقت کی کاٹ ایسی ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا، بچہ، جوان، بوڑھا، بادشاہ، امیر، غریب، سب اس کی زد میں آجاتے ہیں اور یہ بڑی بے رحمی سے اپنا کام تمام کر لیتا ہے:

سدا عیشِ دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ وقت ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ ہاتھ نہیں آتا، آج کا وقت نکل گیا تو دوبارہ موت تک نہیں آئے گا۔ اس کی وضاحت اس شعر میں اور زیادہ عمدہ طریقے پر کی گئی ہے:

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

جو اپنے آج کی فکر کرے گا اور اپنے عمل کو سدھارے گا اس کا حال خود بخود درست ہوجائے گا۔ جس کا حال درست ڈگر پر ہے تو کچھ وقت کے بعد یہی حال ماضی بن چکا ہو گا اور اس طرح ماضی بھی ٹھیک ہوجائے گا۔ اور اسی طرح استقامت کے ساتھ چلتا رہے تو یہی حال مستقبل میں بدل جائے گا۔ اس طرح "آج" کی فکر کرنے والے شخص کا ماضی، حال اور مستقبل تینوں سنور جائیں گے اور اسے ماضی کا پچھتاوا، مستقبل کا اندیشہ نہیں رہے گا اور ان سب کا دارومدار آج پر ہے۔

وقت کے ضیاع سے بچنے کی ضرورت

موجودہ دور میں ہمارے وقت کو ضائع کرنے والی سب سے بڑی چیز ہم سب کی جیبوں میں موجود "موبائل" کی صورت میں چھوٹا سا آلہ ہے، جو ہمیں وقت بے وقت اپنے ساتھ مصروف کرلیتا ہے اور ہم لاشعوری طور پر اس موبائل کے اس قدر عادی ہوچکے ہیں کہ موبائل کے بغیر ہمیں زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ موبائل کے فوائد اپنی جگہ، لیکن ان دو چار فوائد کے چکر میں اس بلا جیسی ایجاد نے ہمارے عقائد و نظریات، عبادت و ریاضت، اخلاق و اقدار، معاشرتی تعلقات اور سب سے بڑی چیز ہماری زندگی کو تہس نہس کر دیا ہے۔ اور اس آلے نے پوری انسانیت کو سوشل میڈیائی مصنوعی انسان میں بدل دیا ہے، جو کہ ریلز اور ویڈیوز کو دیکھتے ہوئے اپنے ناقابلِ واپسی وقت کو ضائع کرتا جارہا ہے۔

قرآن وسنت میں وقت کی قدر وقیمت

اللہ رب العزت نے قرآنِ حکیم میں بہت سے مقامات پر وقت ضائع کرنے کی بہت ہی شدت کے ساتھ مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (مؤمنون، آیات: ۱تا۳) "وہ ایمان والے کامیاب ہو چکے جو اپنی نماز میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں اور بے مقصد فضول کاموں کو نظر انداز کرنے والے ہوتے ہیں"۔ اللہ رب العزت نے ایمان والوں کی ایک اہم خوبی یہ بتلائی کہ وہ ایسے کاموں سے خود کو بچاتے ہیں جن

میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا۔ ایسے کام جن میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور زندگی بھی ضائع ہوتی ہے۔ سورۃ الفرقان میں اللہ رب العزت نے "عبادالرحمٰن" کے عنوان سے اپنے خاص بندوں کی کچھ خوبیاں بیان فرمائی ہیں، جن میں ایک خوبی یہ بیان فرمائی کہ: ﴿وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ (الفرقان:۷۲) "اور جب کسی فضول معاملے کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں"۔ یعنی جب ایمان والوں کا گزر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں فضول کام ہو رہے ہوں اور وقت ضائع کیا جارہا ہو تو ایسی جگہ سے وقار کے ساتھ گزرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوجاتے ہیں، وہاں ٹھہرنا پسند نہیں کرتے۔ اللہ رب العزت سورۃ القصص میں فرماتے ہیں کہ: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ (سورۃ القصص:۵۵) "اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ ہم تمھیں سلام کرتے ہیں، ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے"۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مومن مسلمان ایک ذمے دار انسان ہوتا ہے، اسے حساب دینے کی فکر مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے وقت اور اپنی صلاحیت کو غلط جگہ استعمال ہونے سے بچائے۔ لہٰذا ان کے کانوں میں جیسے ہی کوئی فضول بات پڑتی ہے، جیسے غیبت، حسد، گالیاں، بے حیائی کا تذکرہ، گانے بجانے، میوزک وغیرہ تو وہ ایمان والے وہاں توجہ نہیں لگاتے اور اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتے۔ یہ وقت جو ہمیں ملا ہے یہ کتنا قیمتی ہے اس کا احساس تب ہوگا جب ہمارے پاس مہلت ختم ہوجائے گی۔ اس کا اندازہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد سے بخوبی کیا جاسکتا ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰى إِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَل صَالِحًا إِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدۃ:۱۲) "اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں گے، (کہہ رہے ہوں گے کہ) ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، اس لیے ہمیں (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیجیے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اب اچھی طرح یقین آچکا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ ایک حدیثِ مبارکہ میں اسلام کی خوبی یوں بیان فرماتے ہیں کہ: «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ» (ترمذی) ”کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں کو چھوڑ دے“۔

مسلمان جب اسلام کا نام لیوا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی بدولت فضولیات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ» (بخاری) ”دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان نعمتوں کے حوالے سے دھوکے کا شکار ہیں: صحت اور فرصت“۔ یہ دو نعمتیں ہیں تو بہت بڑی، لیکن ان سے متعلق ایسا لگتا ہے کہ انسان بس یہ سمجھنے میں اپنے روز و شب گزار تا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ میرا ساتھ دیں گی۔ فرصت کے جو لمحات آج میسر ہیں وہ ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے وقت گزر تا ہے ہماری مصروفیت بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کے ان لمحات کو یاد کر کے خود کو کوستے ہیں کہ کاش! میں فرصت کے لمحات کی کچھ قدر کرتا اور اپنے وقت کو کسی بہتر مشغلے میں لگاتا، کیونکہ آج جب کہ میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں اور کر بھی سکتا ہوں، لیکن زندگی کے جھمیلے مجھے کچھ اور کرنے ہی نہیں دیتے۔ فرصت کے جو لمحات تمھیں میسر ہیں ان کی قدر کرو اور فرصت کو زیادہ کمانے، زیادہ عیش و آرام کے چکر میں گنواؤ مت، بلکہ ان لمحات کو زیادہ سے زیادہ اپنی آخرت بنانے میں لگادو، ورنہ ایک وقت آئے گا کہ تمھارے پاس اسباب کی بھرمار ہوگی، لیکن ان سے لطف اندوز ہونے کا وقت نہیں ہوگا۔

وقت کی قدر کریں اس سے پہلے کہ وہ باقی نہ رہے

موجودہ دور میں جن لوگوں کو زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے ان کے گھریلو حالات معلوم کر کے انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ کسی نے سالوں سے اپنے بچوں کو نہیں دیکھا، کوئی اپنی ازدواجی زندگی سے محروم ہو چکا اور کوئی اپنے والدین کی خدمت کے لیے وقت نکالتے نکالتے ان کے جنازے تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ مصروفیت کس کام کی جو ہمیں کسی کی خوشی میں شریک نہ کر سکے، وہ عیش و آرام کس کام کا جس کے حاصل کرتے کرتے انسان اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہ آرام دہ کمرہ کس کام کا جو ہمیں سکون کی نیند نہ دلا سکے۔ لہٰذا صحت اور فرصت کے لمحات کی بھرپور

قدر کی جائے اور ان تمام کاموں کو آج ہی سے کیا جائے جن کے نہ کرنے پر کل پرسوں ہم حیران پریشان اور پچھتاوے کا شکار ہوسکتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے تمھیں فرصت کے لمحات دیے ہیں ان کی قدر کرو، اس سے پہلے کہ مصروفیت بہت بڑھ جائے اور بہت تیزی کے ساتھ تم ایسے مصروف ہو جاؤ کہ کچھ کرنا چاہو بھی تو نہ کرسکو اور پھر سب سے بڑی بات اللہ نے تمھیں زندگی دی ہے اس زندگی کو موت کے جھٹکے سے پہلے پہلے تول تول کر خرچ کرو۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے عمل کو آج اور ابھی سے بدلنے کی جستجو کی جائے، اسے کل پر ٹالا نہ جائے۔ اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں جب کسی نیک کام کے کرنے کا خیال آتا ہے تو یہ خیال در حقیقت اللہ کی طرف سے مہمان ہوتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ مہمان جب میزبان کے پاس جاتا ہے اور وہ میزبان اچھے سے مہمان نوازی کرتا ہے تو مہمان کا دل کرتا ہے کہ میں دوبارہ جاؤں اور اگر میزبان اپنے مہمان کو نظر انداز کرے تو مہمان بدظن ہو کر دوبارہ اس میزبان کے پاس جانا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح جب دل میں نیکی کا خیال آتا ہے تو یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک مہمان ہوتا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ خیال بار بار آتا ہے اور اگر اس خیال کو جھٹک دیا جائے اور یہ کہہ کر ٹال دیا جائے کہ کل یا پرسوں کروں گا، ذرا میرا فلاں کام ہو جائے، ذرا یہ مصروفیت نمٹ جائے۔ شیطان جب کسی مسلمان کو وسوسہ دیتا ہے تو اسے کبھی بھی یہ نہیں کہتا کہ تم نماز نہ پڑھو، بلکہ وہ یوں کہتا ہے کہ نماز پڑھنا بہت اچھی بات ہے، ضرور پڑھنی چاہیے، لیکن تم کل سے پڑھ لینا، جمعے کے مبارک دن سے نہا دھو کر شروع کر دینا یا رمضان المبارک کے مہینے میں شروع کر دینا اور وہ "کل" موت تک دوبارہ نہیں آتا۔

معمولات کو منظم کریں

سب سے پہلے وقت کی قدر کا احساس اپنے اندر بیدار کیا جائے۔ مجھ میں کس کام کے کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے اسے سمجھا جائے۔ پھر اسی کو اپنا نصب العین بنایا جائے۔ دن بھر میں کچھ نہ کچھ سیکھنے کے لیے ضرور وقت نکالا جائے، چاہے وہ کورس، مطالعہ وغیرہ ہو۔ وقت میں بے برکتی کی سب سے بڑی وجہ وقت کو منظم نہ کرنا ہے، کس وقت کیا کرنا ہے؟ یہ طے ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر ہم اپنے موڈ کے مطابق کام کرتے رہیں گے تو وہ کبھی ٹھیک سے نہیں ہوسکیں گے اور ایک کام کی وجہ سے دوسرے بہت سے کام متاثر ہو جائیں گے۔ کامیاب زندگی گزارنے کے

لیے لازم ہے کہ اپنے وقت کو اس انداز سے تقسیم کیا جائے کہ اس میں کوئی بھی ضروری مصروفیت رہ نہ جائے۔ بلکہ سب معاملات کو ضرورت کے مطابق وقت دیا جاسکے، کسی ایک کام کو زیادہ وقت دینا اور دوسرے کام کو معمولات سے خارج کرنا، ناکام طرزِ زندگی کی علامت ہے۔ معمولات کو منظم کرنے کا بہترین طریقۂ کار یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو تقسیم کریں کہ ہم نے آج کے دن چوبیس گھنٹوں کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔ چوبیس گھنٹے کوئی کم وقت نہیں ہے۔ پھر اس کا جائزہ لینا ہے کہ ہم متعیّن کام میں کس حد تک کامیاب ہوئے اور مزید اس میں کتنی بہتری کی گنجائش ہے۔ جب ہم اس طرح سوچنا شروع کریں گے تو ہمارے اوقات میں خود بخود نظم پیدا ہو جائے گا۔

*****

یسٰلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

یوٹیوب کی آمدن کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے صحت کے حوالے سے کوئی یوٹیوب چینل بنایا ہو جس سے لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے تو کیا ایسے یوٹیوب چینل سے حاصل ہونے والی اشتہارات کی آمدنی جائز ہے۔ اسی طرح کیا دینی مقاصد یعنی درس و تدریس کے لیے بنائے گئے یوٹیوب چینل سے حاصل ہونے والی آمدنی جائز ہے؟ مزید یہ کہ پردہ دار خواتین کا معلوماتی یوٹیوب چینل چلانا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا کیا جائز ہے؟ برائے مہربانی اس بارے میں رہنمائی فرما دیجیے۔

جواب: یوٹیوب چینل پر اشتہارات لگا کر اس کے ذریعے آمدنی حاصل کرنے کا جواز درج ذیل شرائط پر موقوف ہے:
الف۔ اشتہار میں کسی غیر شرعی کاروبار اور ناجائز امر کی ترویج نہ کی گئی ہو۔
ب۔ اشتہار میں غیر شرعی مواد جیسے موسیقی اور بے پردہ عورتیں نہ ہوں۔
لیکن مشاہدے اور تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یوٹیوب چینل کے مالک کو اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرضی کا اشتہار چلانے پر یوٹیوب کو پابند کرے، اور عموماً جو اشتہارات چلائے جاتے ہیں ان میں جواز کی مندرجہ بالا شرائط کی پابندی نہیں کی جاتی، اور اکثر ناجائز امور پر مشتمل اشتہارات چلا دیے جاتے ہیں، نیز دیکھنے والے کی پسند ناپسند کے مطابق، اسی طرح جس ملک میں موجود ہو وہاں رائج چیزوں کے اشتہارات بھی اُس کو دکھائے جاتے ہیں، جس میں مندرجہ بالا شرائط کی پابندی تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے، اس لیے یوٹیوب چینل پر اشتہارات لگوا کر اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اجتناب ضروری ہے۔

﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة:۲)(إن الإعانة على المعصية حرام مطلقا بنص القرآن، أعني قوله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ المائدة:۲‘‘(بحوث في قضايا فقهية معاصرة (ص:۳۶۰) ’’صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات. قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله – عليه الصلاة والسلام – «استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر» أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ما خلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر،فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي «أنه – عليه الصلاة والسلام – أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه»(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة:۶/۳۴۹)’’ولكن معظم استعمال التلفزيون في عصرنا في برامج لاتخلو من محظور شرعي، وعامة المشترين يشترونه لهذه الأغراض المحظورة من مشاهدة الأفلام والبرامج الممنوعة، وإن كان هناك من لا يقصد به ذلك. فبما أن استعماله في مباح ممكن فلا نحكم بالكراهة التحريمية في بيعه مطلقا، إلا إذا تعين بيعه لمحظور، ولكن نظراً إلى معظم استعماله لا يخلو من كراهة تنزيهية . وعلى هذا، فينبغي أن يتحوط المسلم في اتخاذ تجارته مهنة له في الحالة الراهنة إلا إذا هيأ الله تعالى جوا يتمحض أو يكثر فيه استعماله المباح‘‘-(فقه البيوع على المذاهب الأربعة،المبحث الثالث فى أحكام المبيع والثمن،الشرط الثاني:۱/۳۲۵)

۱۹ جنوری ۲۰۲۴ء

فتوی نمبر:۲۸۹۷

واللہ اعلم بالصواب

*****

نعت

مولانا عبد الرحمٰن جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم ﷺ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فضائلِ درود شریف میں لکھتے ہیں: مولانا جامی نور الله مرقده و أعلى الله مراتبه یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے توان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیرِ مکہ نے خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کی، حضورِ اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔

امیرِ مکہ نے ممانعت کردی۔ مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا: ”وہ آرہا ہے، اس کو یہاں نہ آنے دو“۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور اُن کو راستے سے پکڑوا کر بلایا، اُن پر سختی کی اور جیل خانے میں ڈال دیا۔

اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کوئی مجرم نہیں، بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہوکر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے، اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحے کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اِس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔

(فتنہ ہوگا یعنی عوام میں سے ناواقف اور لاعلم لوگ اس سے فتنے میں پڑجائیں گے، نائب مدیر)

مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

۱.	ز مہجوری بر آمد جانِ عالم	ترحُّم یا نبیَ اللہ ترحُّم
۲.	نہ آخر رحمۃٌ لِلعالمینی	ز محروماں چرا غافل نشینی
۳.	ز خاک اے لالۂ سیراب بر خیز	چو نرگس خواب چند از خواب بر خیز
۴.	بروں آور سر از بردِ یمانی	کہ روے تست صبحِ زندگانی
۵.	شبِ اندوہ مارا روز گرداں	ز رویت روزِ ما فیروز گرداں
۶.	بہ تن در پوش عنبر بوے جامہ	بسر بربند کافوری عمامہ
۷.	فرود آویز از سر گیسواں را	فگن سایہ بپا سروِ رواں را
۸.	ادیمِ طائفی نعلین پا کن	شراک از رشتۂ جاں ہاے ما کن
۹.	جہانے دیدہ کردہ فرشِ راہ اند	چو فرشِ اقبال پا بوسِ تو خواہند
۱۰.	ز حجرہ پاے در صحنِ حرم نِہ	بفرقِ خاکِ رہ بوساں قدم نِہ
۱۱.	بدہ دستی ز پا افتادگاں را	بکن دلدارے دلدادگاں را
۱۲.	اگرچہ غرقِ دریاے گناہم	فتادہ خشک لب بر خاکِ راہم
۱۳.	تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے	کنی بر حال لب خشکاں نگاہے
۱۴.	خوشا کز گرد رہ سویت رسیدیم	بدیدہ گرد از کویت کشیدیم
۱۵.	بمسجد سجدۂ شکرا نہ کردیم	چراغت را ز جاں پروا نہ کردیم
۱۶.	بگردِ روضہ ات گشتیم گستاخ	دلم چوں پنجرۂ سوراخ سوراخ

۱۷. زدیم از اشک ابرِ چشم بے خواب | حریمِ آستانِ روضہ ات آب

۱۸. گہے رُفتیم زاں ساحت غبارے | گہے چیدیم زو خاشاک و خارے

۱۹. ازاں نورِ سوادِ دیدہ دادیم | وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

۲۰. بسوے منبرت رہ بر گرفتیم | زچہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

۲۱. زمحرابت بسجدہ کام جستیم | قدم گاہت بخونِ دیدہ شستیم

۲۲. بپاے ہر ستوں قدر است کردیم | مقام راستاں درخواست کردیم

۲۳. زداغِ آرزویت با دلِ خوش | زدیم از دل بہر قندیل آتش

۲۴. کنوں گر تن نہ خاکِ آں حریم است | بحمد اللہ کہ جاں آں جا مقیم است

۲۵. بخود درماندہ ام از نفسِ خود راے | ببین درماندہٗ چندیں بخشاے

۲۶. اگر نبود چو لطفت دست یارے | زدستِ ما نیاید ہیچ کارے

۲۷. قضا می افگند از راہ ما را | خدا را از خدا درخواہ ما را

۲۸. کہ بخشد از یقیں اول حیاتے | دہد آنگہ بکارِ دیں ثباتے

۲۹. چو ہولِ روزِ رُستاخیز خیزد | بآتش آبروے ما نریزد

۳۰. کند با ایں ہمہ گمراہیٔ ما | تُرا اذنِ شفاعت خواہیِ ما

۳۱. چو چوگاں سر فگندہ آوری روے | بمیدانِ شفاعت امتی گوے

۳۲. بحسنِ اہتمامت کارِ جامیؔ | طفیلِ دیگراں یابد تمامی

ترجمہ

۱. آپ کے فراق سے کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے۔ اے رسولِ خدا! نگاہِ کرم فرمائیے۔ اے ختم المرسلین رحم فرمائیے۔

۲. آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں، ہم حرماں نصیبوں اور ناکامانِ قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

۳. اے لالہ خوش رنگ اپنی شادابی اور سیرانی سے عالم کو مستفید فرمائیے اور خوابِ نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم محتاجانِ ہدایت کے قلوب کو منور فرمائیے۔

۴. اپنے سرِ مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالیے کیونکہ آپ کا روے انور صبحِ زندگانی ہے۔

۵. ہماری غم ناک رات کو دن بنا دیجیے اور اپنے جمالِ جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروزمندی و کامیابی عطا کر دیجیے۔

۶. جسمِ اطہر پر حسبِ عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمائیے اور سفید کافوری عمامہ زیبِ سر فرمائیے۔

۷. اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سرِ مبارک سے لٹکا دیجیے تاکہ اُن کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامتِ اطہر و جسمِ انور کا سایہ نہ تھا، لہٰذا گیسوے شبگوں کا سایہ ڈالیے)

۸. حسبِ دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین (پاپوش) پہنیے اور ان کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتۂ جاں سے بنائیے۔

۹. تمام عالم اپنے دیدہ و دل کو فرشِ راہ کیے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرشِ زمین کی طرح آپ کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۱۰. حجرۂ شریف یعنی گنبدِ خضرا سے باہر آکر صحنِ حرم میں تشریف رکھیے۔ راہِ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم رکھیے۔

۱۱. عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمائیے اور مخلص عشاق کی دل جوئی و دل داری کیجیے۔

۱۲. اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سر تا پا غرق ہیں لیکن آپ کی راہِ مبارک پر تشنہ و خشک لب پڑے ہیں۔

۱۳. آپ ابرِ رحمت ہیں، شایانِ شانِ گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہِ کرم بار ڈالی جائے۔

۱۴. ہمارے لیے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گردِ راہ سے آپ کی خدمتِ گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچۂ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے۔

۱۵. مسجدِ نبوی میں دوگانہ شکر ادا کرتے، سجدۂ شکر بجالاتے، روضۂ اقدس کی شمعِ روشن کا اپنی جانِ حزیں کو پروانہ بناتے۔

۱۶. آپ کے روضۂ اطہر اور گنبدِ خضرا کے اس حال میں مستانہ اور بے تابانہ چکر لگاتے کہ دل صدمہ ہائے عشق اور وفورِ شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا۔

۱۷. حریمِ قدس اور روضۂ پُرنور کے آستانۂ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔

۱۸. کبھی صحنِ حرم میں جھاڑو دے کر گرد و غبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں کے خس و خاشاک کو دور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔

۱۹. گو گرد و غبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے، مگر ہم اس سے مردمکِ چشم کے لیے سامانِ روشنی مہیا کرتے اور گو خس و خاشاک زخموں کے لیے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحتِ دل کے لیے مرہم بناتے۔

۲۰. آپ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرے سے مَل مَل کر زرین و طلائی بناتے۔

۲۱. آپ کے مصلّاے مبارک و محراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں

کامیاب ہوتے اور مصلّے میں جس جائے مقدس پر آپ کے قدمِ مبارک ہوتے تھے اُس کو شوق کے اشکِ خونیں سے دھوتے۔

۲۲. آپ کی مسجدِ اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبے کی درخواست و دعا کرتے۔

۲۳. آپ کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دل نشین آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں ہیں) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے۔

۲۴. اب اگرچہ میرا جسم اس حریمِ انور و شبستانِ اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔

۲۵. میں اپنے خود بین و خود رائے نفسِ امارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں، ایسے عاجز و بے کس کی جانب التفات فرمائیے اور بخشش کی نظر ڈالیے۔

۲۶. اگر آپ کے الطاف کریمانہ کی مدد شاملِ حال نہ ہوگی تو ہم عضوِ معطل و مفلوج ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پاسکے گا۔

۲۷. ہماری بدبختی ہمیں صراطِ مستقیم و راہِ خدا سے بھٹکا رہی ہے۔ خدارا ہمارے لیے خداوند قدوس سے دعا فرمائیے۔

۲۸. (یہ دعا فرمائیے) کہ خداوندِ قدوس اوّلاً ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکامِ دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔

۲۹. جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اُس کی زبردست ہول ناکیاں پیش آئیں تو مالکِ یوم الدین، رحمٰن و رحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے۔

۳۰. اور ہماری غلط روی اور صغیرہ وکبیرہ گناہوں کے باوجود آپ کو ہماری شفاعت کے لیے اجازت مرحمت فرمائے کیونکہ بغیر اس کی اجازت، شفاعت نہیں ہوسکتی ہے۔

۳۱. ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ سر خمیدہ چوگاں کی طرح میدانِ شفاعت میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یاربّ امّتی امّتی فرماتے ہوئے تشریف لائیں۔

۳۲. آپ کے حسنِ اہتمام اور سعیِ جمیل سے دوسرے مقبول بندگانِ خدا کے صدقے میں غریب جامیؔ کا بھی کام بن جائے گا۔

*****

ماخذ: فضائلِ درود شریف، مولانا محمد زکریا کاندھلوی، پانچویں فصل، مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۰۲